بسم اللہ الرحمن الرحیم

واعتصمو بحبل اللہ جمیعاو لاتفرقوا

(اللہ کی رسی کو تمام کر سب متحد ہو جاؤ اور متفرق نہ ہو)



اُصولیت اور اخباریت

(حقیقت کے آئینے میں)

از

مولانا رضا مہدی صاحب قبلہ

خلف

مولانا مرزا مھدی حسین ذاکر قبلہ اعلی اللہ مقامہ

پیشکش

حسینی پبلیکیشنز - حسینی مشن

حیدرآباد

Aijaz

مولا علی پرنٹنگ ورکس۔ کمال تبر روڈ حیدرآباد -

واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولاتفرقوا
(اللہ کی رسی کو تھام کر سب متحد ہو جاؤ اور متفرق نہ ہو)

اصولیت اور اخباریت حقیقت کے آئینے میں

از

مولانا رضا مہدی صاحب قبلہ
خلف مولانا مرزا مہدی حسین ذاکر قبلہ اعلی اللہ مقامہ

پیشکش - حسینی مشن پبلی کیشنز
حسینی مشن حیدرآباد

نام کتاب	"اصولیت اور اخباریت حقیقت کے آئینے میں"
نام مصنف	مولانا رضا مہدی صاحب قبلہ
-	خلف مولانا مرزا مہدی حسین ذاکر قبلہ اعلی اللہ مقامہ
سنہ اشاعت	اکٹوبر ۱۹۹۵ عیسوی
بار اول	ایک ہزار
سرورق	مولا علی پرنٹنگ پریس
-	جامباغ - نزد امامیہ مسجد - حیدرآباد
کمپیوٹر کتابت	"اردو کمپیوٹر سنٹر" فون نمبر 4413850
-	17-1-181/M/35 روبرو جامعہ عائشہ نسوان
-	داراب جنگ کالونی - مادنا پیٹ - حیدرآباد ۵۰۰۰۵۹
-	فون نمبر 4413850
طباعت	اعجاز پرنٹنگ پریس - چھتہ بازار - حیدرآباد
قیمت	۲۰ روپیے

ناشر

حسینی مشن پبلی کیشنز

حسینی مشن حیدرآباد - ۲۱-۲-۲۲ - دبیرپورہ - حیدرآباد

ملنے کے پتے

زینب بک ہاؤس، روبرو عبادت خانہ حسینی، دارالشفاء - حیدرآباد

(۲) مکتبہ ترابیہ - پرانی حویلی - حیدرآباد -

(۳) سلمان بک سنٹر - روبرو عبادت خانہ حسینی دارالشفاء - حیدرآباد -

Composed pdf by . Syed Naser Amjed Jafery.

فہرستِ عنوانات

صفحہ نمبر

پروفیسر ایم۔ ایم۔ تقی خاں صاحب
ایم۔ ایس۔ سی، پی۔ ایچ۔ ڈی، (یو۔ ایس۔ اے)
آنریری ایڈوائیزر (سائنٹیفک اینڈ اکیڈیمک ڈیولپمنٹ) عثمانیہ یونیورسٹی

مقدمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عالی جناب رضا مہدی صاحب قبلہ کی کتاب "اصولیت اور اخباریت، حقیقت کے آئینے میں" آپ کے وسیع مطالعے اور مناسب حوالوں اور تاریخی و مذہبی مواد پر مبنی ہے۔ موصوف نے عام فہم اور غیر جانبدارانہ انداز میں مذہبی حقائق کو ان کے تاریخی اور سیاسی پس منظر میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے جو ایک مستحسن اقدام ہے کیونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہر مومن پر فرض ہیں۔ تاریخ شیعت میں جہاں فکر و نظر کو مذہبی اور شرعی حدود کے اندر آزادی بخشی گئی ہے اور عقل و فہم کی ہمت افزائی کی گئی ہے وہیں عمل (Action) کی کافی اہمیت ہے۔ بقول علامہ اقبال

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی

یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

انسان کی عملی زندگی کو ہمیشہ قیادت کی ضرورت رہی ہے ورنہ انسان کا نفس حیوانی اس کو برائیوں کی طرف مائل کرتا ہے شرعی پابندیاں چونکہ انسان کے نفس حیوانی کو روکتی ہیں انسانی فطرت اسے پسند نہیں کرتی اور ان سے بچ نکلنے کی کوشش کرتی ہے۔ انسان کی روحانی ترقی اور آزادی اللہ کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنا ہے۔ حضور سرور کائنات صلعم نے انسانوں کو گمراہی سے بچانے کے لئے دو گرانقدر اثاثے چھوڑے۔ ایک قرآن اور دوسرے اہلبیت۔ نجات کے لئے ان دونوں سے تمسک ضروری ہے۔ محض کتاب خدا یا محض سنت کافی نہیں ہے۔ ان دونوں صورتوں میں حدیث پیغمبر پر ادھورا عمل ہوگا جو انسان کو گمراہی سے نہیں بچاسکتا۔ قرآن ایک ایسا ضابطہ حیات ہے اور علوم و حکمت کا ایسا معجزہ ہے جو قیامت تک مشعل راہ ہے قرآن مجید کا یہ اعلان "ثم اورثنا الکتب الذین اصطفینا من عبادنا ہم نے اپنے بندوں میں سے کچھ بندوں کو چن لیا منتخب کرلیا اور ان کو اپنی کتاب کا وارث قرار دیا"۔ صرف اہلبیت رسول ہی کے لئے ضرور

ہے لیکن وارثان قرآن نے بھی خود بار بار قرآن سے تمسک اختیار کرنے اور آیات قرآنی میں غور وتدبر کی ہدایت فرمائی ہے۔ اس لئے قرآن سے تمسک بھی ضروری ہے۔ قرآن سے اس مفروضہ کے تحت روگردانی کہ قرآن کو صرف اہلبیت ہی سمجھ سکتے ہیں کھلی گمراہی ہے۔ اگر قرآن صرف اہلبیت کے لئے ہی ہوتا تو اس میں جگہ جگہ انسانوں کو غور و فکر کی دعوت نہیں دی جاتی۔ اس میں یہ نہیں کہا جاتا کہ "یہ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے کیا ان کے دلوں پر قفل پڑ گئے ہیں"۔ اس طرح یہ آیت نہ صرف قرآن کے رموز کو سمجھنے کی دعوت دیتی ہے بلکہ انسانی عقل و فہم کی رہبری بھی کرتی ہے اور عقل کی اہمیت کو بھی ظاہر کرتی ہے۔ ایک سائنس کے طالب علم کی حیثیت سے میں یہ کہنے کی جرأت کرسکتا ہوں کہ قرآن مجید ایک سائنسی معجزہ ہے قرآن کا یہ دعویٰ "لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین" ہر زمانہ کے لئے ہے۔ تخلیق کائنات، فضائے بسیط میں سیاروں اور چاند سورج کی گردش، کرہ ارض کی تخلیق، پہاڑ اور دریا، ہواؤں کا چلنا، موسم کی تبدیلی، زمین کی حیاتی نشوونما، زرعی پیداوار، حیوانوں کے اقسام اور اللہ کی دوسری نشانیوں کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ابھی سائنس اور انسانی

معلومات ان مقامات تک نہیں پہنچ سکے ۔ قرآن کو چھوڑنا اپنی عقل و فہم پر مہر ڈالنا ہے اور جہالت کی طرف اقدام ہے ۔ ہم کو قرآن اور اہلبیت دونوں کی ضرورت ہے ۔ قرآن کی تفہیم سنت اور عقل کی روشنی میں ہو سکتی ہے اور علماء کا علمی اجماع مشکل مسائل کے حل کے لئے ایک سائنٹیفک قدم ہے ۔ اس کو چاہے آپ اجتہاد کا نام دیجئے یا کچھ اور ۔ اہم مسائل کے (Rational) حل کے لئے قرآن ، سنت ، عقل اور اجماع کی ضرورت ہے ۔ جس طرح ہم اپنی عملی زندگی میں اپنے مسائل کے حل کے لئے مختلف پیشہ ورانہ ماہرین فن کی خدمات حاصل کرتے ہیں اسی طرح شرعی مسائل کے حل کے لئے اس (Field) کے ماہر مجتہدین ہیں جو ہماری مذہبی اور روحانی زندگی کی قیادت کرسکتے ہیں اور گمراہی سے بچا سکتے ہیں ۔

پروفیسر ایم - ایم - تقی خان
آنریری ایڈوائزر (سائنٹیفک اینڈ اکیڈیمک ڈیولپمنٹ) عثمانیہ یونیورسٹی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللھم صل علی محمد و آل محمد

شیعان حیدر کرار کو ہمیشہ اس بات کی ذہنی اور قلبی طمانیت حاصل رہی ہے کہ اسلام کے مختلف فرقوں میں سے صرف ان کا اپنا فرقہ "شیعہ امامیہ اثنا عشری" ہی حقیقی اسلام کا حامل فرقہ ہے۔ عالم اسلام کے تمام فرقوں میں یہی واحد فرقہ ہے جس نے حدیث ثقلین (فرمایا میں تم میں دو گراں بہا چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ ایک اللہ کی کتاب اور دوسرے میری عترت، میرے اہلبیت۔ اگر تم ان دونوں کے دامن کو مضبوطی سے تھام لوگے تو کبھی گمراہ نہ ہونے پاؤ گے) پر پوری طرح سے عمل کیا اور قرآن اور اہلبیت سے تمسک اختیار کرتے ہوئے راہ نجات کو اختیار کیا۔ یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مذہب شیعہ امامیہ اثنا عشری کے احکامات اصولی و فروعی کو امام جعفر صادق علیہ السلام نے مدون فرمایا اور آپ کے بعد ہر امام نے حسب ضرورت ان احکامات کی وضاحت فرمائی۔ بارھویں امام حضرت حجۃ العصر علیہ السلام کی غیبت صغریٰ و غیبت کبریٰ میں علمائے مذہب شیعہ نے ان احکام و مسائل کو اپنے بعد آنے والی نسلوں کے لئے محفوظ کیا اور جب

بھی ضرورت لاحق ہوئی۔ ان ہی علماء نے قرآن و سنت سے استدلال کرتے ہوئے عقل کی روشنی میں احکام دینی و حقائق مذہب شیعہ کو ثابت کیا۔ اسی سلسلے میں ان علمائے مذہب حقہ نے بہت سی ایسی معرکتہ الآراء کتابیں لکھیں جو آج بھی حقیقی اسلام کے راستوں کے لئے چراغ راہ بن کر ہدایت کے راستوں کو روشن کر رہی ہیں۔ شہادت حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام ۲۶۰ھ سے غیبت صغریٰ و غیبت کبریٰ کے اس دور یعنی ۱۴۱۶ھ تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ اس دوران بارہ سو سال کے اس درمیانی عرصے میں مذہبی قیادت کے ذریعہ عزت و مرتبہ اور دنیوی سامان عیش و راحت کے حصول کی غرض سے مذہب شیعہ امامیہ اثنا عشری پر قائم رہنے کا دعویٰ کرنے والے مختلف قسمت آزماؤں نے اس مذہب شیعہ میں مختلف فرقوں کو قائم کر کے، ان فرقوں کی قیادت کے ذریعے اپنے مقاصد کے حصول کی کوششیں کیں اور وقتی اور ہنگامی طور پر مختلف ادوار میں، مذہب شیعہ میں مختلف فرقے رونما ہوتے رہے۔ اسمعیلیہ، غرابیہ، منصوریہ، بابی بہائی اور شیخی اور دوسرے بہت سے مختلف فرقے تھے جو اصول دین کی حد تک شیعہ ہونے کا دعویٰ تو کرتے تھے لیکن مسلمہ عقائد اصولی و فروعی کی

تاویل، اپنے ذاتی اغراض و مفادات کے تحت کر کے، ناواقف و
نادان شیعوں کو اپنے گرد جمع کر لیتے تھے اور اس طرح اپنے فائدوں کے
لئے، عقیدت اہلبیت کا محکم جذبہ رکھنے والے بھولے بھالے مومنین کو
اپنا معتقد و ہمنوا بنا لیتے تھے۔ لیکن یہ تمام فرقے گزرتے ہوئے وقت
کے ساتھ ساتھ اس لئے بہت جلد نیست و نابود ہو گئے یا شیعوں سے
الگ ہو گئے کہ انھوں نے اپنی اصل یعنی مذہب شیعہ امامیہ اثنا عشری
سے الگ اپنی شناخت قائم کرنے کی غرض سے مسلمات مذہب شیعہ
میں تبدیلیاں کر لی تھیں۔ غیبت کبریٰ کے اس پر آشوب دور میں اور
عقائد و افکار کے ان موقتی ہنگاموں کے درمیان، مذہب امامیہ اثنا
عشری کے علماء اور مجتہدین نے حفاظت دین کے لئے بڑی کوششیں
کیں اور ان ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج مذہب شیعہ کے عقائد
اصولی و فروعی واضح اور روشن حقیقت کی حیثیت سے، ہر شیعہ امامیہ
اثنا عشری کے پاس محفوظ و موجود ہیں، جن پر وہ پورے اطمینان قلب
کے ساتھ کاربند ہے۔

اجتہاد و تقلید

اجتہاد ایک عربی لفظ ہے جس کے اصطلاحی معنی کتاب اللہ (قرآن) اور احادیث کا مطالعہ کر کے وقت نظر اور جہد (کوشش) کے ساتھ احکامات و مسائل دینی کے حقائق کو دریافت کرنا اور سند کے ذریعے ان کی تشریح کرنا ہے۔ جو شخص بھی تعلیم اور مطالعے کے ذریعے اس مرتبے پر پہونچ جاتا ہے اسے مجتہد کہتے ہیں۔ یہ ایک اجمالی تعریف ہے۔ اور حضرات اہلسنت کے پاس آج سے بارہ سو برس پہلے چار اماموں ابو حنیفہ (وفات ۱۵۰ھ) مالک ابن انس (وفات ۱۹۵ھ) شافعی (وفات ۲۰۴ھ) ابن حنبل (وفات ۲۴۱ھ) کے بعد اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا لیکن شیعوں کے پاس اجتہاد کا دروازہ آج بھی کھلا ہوا ہے، جس کی وجہ سے مذہب شیعہ اثنا عشری میں ہر دور اور ہر زمانے کی ضروریات کو پورا کرتے ہوئے نئے نئے حالات سے مطابقت کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ اجتہاد کا لفظ اگرچیکہ معنوی اعتبار سے مشترک ہے لیکن اہلسنت کا اجتہاد الگ ہے اور شیعوں کا اجتہاد الگ ہے۔ اہلسنت نے جس وقت اجتہاد سے کام لیا اس وقت انھوں نے اجتہاد کی بنیاد چار اصولوں پر رکھی۔ قرآن، سنت، اجماع اور قیاس۔ ان اصولوں میں سے دو کی ائمہ طاہرینؑ نے یہ کہہ کر ممانعت فرمائی کہ جن علماء کے

اجماع کو مسائل و احکام کے حصول کے لیے حجت قرار دیا جارہا ہے وہ حامل حق نہیں ہیں اور قیاس اس لیے حجت نہیں کہ سب سے پہلا قیاس کرنے والا شیطان تھا۔ (جس نے قیاس کیا تھا کہ میں آدم سے افضل ہوں) اور قیاس انسان کو گمراہی کی طرف لے جاتا ہے۔ اسی وجہ سے قدیم علمائے مذہب شیعہ نے اجتہاد اور (ایسے اجتہاد کے قائل) مجتہدین کی کھلے الفاظ میں مخالفت کی تھی اور آج کے دور میں قدیم علمائے مذہب شیعہ کی جن تحریروں کو اجتہاد اور مجتہدین کی مخالفت کی دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے وہ یہی علمائے اہلسنت کا اجتہاد تھا جس کی علمائے مذہب شیعہ نے کھل کر مخالفت کی تھی۔ یہ اجتہاد نہیں جو علمائے شیعہ کا اجتہاد ہے، جس کی بنیاد، چار اصولوں، قرآن، سنت، اجماع (علمائے مذہب شیعہ کا کسی مسئلے پر متفق ہونا) اور عقل ہے۔ مذہب شیعہ کے مجتہدین قیاس کے کبھی قائل نہیں رہے اور نہ آج ہیں۔ قیاس اور عقل میں فرق یہ ہے کہ قیاس صرف مسئلے کو ثابت کرنے کی وہمی کوشش کا نام ہے اور عقل مسئلہ کو ثابت کرنے کی کوشش نہیں بلکہ قرآن اور سنت کی روشنی میں مسئلہ کے حل کی کوشش کا نام ہے۔ اس طرح اجتہاد کا لفظ جو پہلے حضرات اہلسنت کے

چار اماموں کے قیاسی اجتہاد کے لیے استعمال ہونے کی وجہ سے علمائے شیعہ کے نزدیک تنقید کے اور رد کیے جانے کے قابل تھا لیکن بعد میں شیعی اجتہاد پر سے پردہ ہٹ جانے کی وجہ سے قابل تنقید نہیں رہا۔ اسی طرح جیسے حضور اکرمؐ کے بعد تیسرے دور خلافت میں لفظ شیعہ اپنے عمومی معنوں میں استعمال ہوتا تھا اور تاریخ اسلام میں اس دور کے دو گروہ بہت مشہور ہیں، شیعان عثمان اور شیعان علی۔ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ شیعان عثمان کا وجود باقی نہیں رہا اور لفظ "شیعہ" کے لغوی معنی اگرچیکہ دوست اور ساتھی کے ہیں لیکن آج یہ لفظ "شیعہ" فقہ اہلبیت پر عمل کرنے والوں کے لیے مخصوص ہوگیا ہے۔

تقلید کو ضروری قرار دینے والوں کے پاس یہ دلائل ہیں کہ اول تو خود اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم فرمایا ہے۔

وما کان المومنون لینفروا کافۃ فلو لا نفر من کل فرقۃ منھم طایفۃ لیتفقھوا فی الدین و لینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون

(سورہ توبہ آیت ۱۲۲)

یعنی تمام مومنین کے لیے اپنے وطن کو تحصیل علم دین کے

لیے چھوڑنا ممکن ہنیں ہے۔ پس ہر گروہ میں سے چند آدمیوں کا تحصیل
علم فقہہ کیلیے جانا ضروری ہے تاکہ وہ جب اپنے اپنے وطن کو واپس
آئیں تو ان کو چاہیے کہ دوسرے لوگوں کو دینی احکام کی تعلیم دیں اور
ان کو عذاب الہیٰ سے ڈرائیں شاید وہ ان کی گفتار کی پیروی کرتے
ہوئے عذاب الہیٰ سے ڈریں۔

اس طرح اللہ کا حکم بھی یہی ہے کہ علم دین حاصل کرنے
والوں کی لوگ پیروی کریں اور ہدایت تک پہونچنے کی کوشش کریں
اور تقلید اس لیے بھی ضروری ہے کہ ائمہ علیہم السلام نے بھی اس کی
ہدایت فرمائی ہے۔ اس سلسلے میں تقلید کو ضروری اور لازمی قرار دینے
کے لیے بہت سی حدیثیں پیش کی جاتی ہیں جن میں سے فی الحال ہم
یہاں مختصراً دو حدیثیں پیش کرتے ہیں۔ کتاب وسائل الشیعہ (مذہب
شیعہ میں حدیث کی مستند کتاب) کے گیارھویں باب، کتاب القضا میں
عبدالعزیز نامی ایک شخص نے حضرت امام رضا علیہ السلام کی خدمت
میں عرض کیا۔

" مولا، میرا گھر بہت دور ہے۔ میں اپنے مورد ابتلا مسائل
(مشکل مسائل) پوچھنے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہنیں ہو سکتا

آیا آپ یونس بن عبدالرحمن کی تائید فرماتے ہیں کہ میں ان سے اپنے دینی مسائل حاصل کر سکتا ہوں ------؟"

امام علیہ السلام نے فرمایا "ہاں"

ایک اور حدیث تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام سے یہ پیش کی جاتی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے جائز اور ممدوح تقلید کے متعلق فرمایا۔

فاما من کان من الفقهاء صائناً لنفسه حافظاً لدینه مخالفاً علی هواه و مطیعاً لامر مولاه فللعوام ان یقلدوه

"فقہا (مجتہدین) میں سے جو شخص اپنے کو گناہوں سے محفوظ رکھنے والا اور اپنے دین کی حفاظت کرنے والا اور اپنے نفس کی مخالفت کرنے والا اور اپنے اللہ کی اطاعت کرنے والا ہو تو عوام کے لیے ضروری ہے کہ اس کی تقلید کریں"

ان دلائل کو پیش کرنے کے بعد تقلید کو لازمی اور ضروری قرار دینے والے حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ جس کی تقلید کیجائے اس میں کچھ شرطوں کا پایا جانا بھی ضروری ہے۔ پہلی شرط تو یہ ہے کہ وہ عادل ہو۔

یعنی اس کا ایمان اس قدر کامل اور قوی ہو کہ واجبات میں سے کسی
واجب کو ترک نہ کرے اور محرمات میں سے کوئی حرام کام انجام نہ
دے - دوسرے لفظوں میں گناہوں سے بچنے والا ہو - گناہ گار مجتہد
چاہے کتنا ہی بڑا عالم کیوں نہ ہو اس کی تقلید جائز نہیں - دوسری شرط یہ
ہے کہ تقلید کے لائق وہی مجتہد ہے جو اعلم ہو - یعنی دوسرے علماء سے
زیادہ عالم اور دانا ہو، اور علماء نے اسے سب سے بڑا عالم تسلیم کیا ہو۔
تیسری شرط یہ ہے کہ وہ زندہ ہو وہ اس لیے کہ جیسے جیسے زمانہ آگے
بڑھتا جاتا ہے، تمدنی و معاشرتی و تجارتی امور میں، اور زمانے اور حالات
کے بدلنے کی وجہ سے موقتی طور پر مختلف عبادات کی صحیح طور پر ادائیگی
کے بارے میں، مسلمان نئے نئے مسائل سے دو چار ہوتے رہتے ہیں
اور ان مشکل مسائل میں انہیں اپنی دینی ذمہ داری کا علم نہیں ہوتا
ہے - اس لیے ہر دور اور ہر زمانے میں کسی زندہ فقیہہ کا ہونا ضروری
اور لازمی ہے جو اس ضرورت کو پورا کر سکے اور ان مشکل مسائل سے
ناواقف افراد اس کی طرف رجوع کر سکیں - یہ نئے نئے مسائل و
مشکلات ہر دور اور ہر صدی میں پیش آتے رہے ہیں اور مختلف زمانوں
اور مختلف صدیوں کی فقہی کتابوں پر گہری نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ

لوگوں کی ضروریات کے مطابق بتدریج فقہ میں نئے نئے مسائل داخل ہوئے ہیں۔

مجتہد کے لیے یہ شرط بھی ہے کہ وہ عربی ادب کا جاننے والا ہو۔ علم تفسیر (بحوالہ ائمہ طاہرینؑ) سے اتنا واقف ہو کہ احکام سے متعلقہ آیات کے معنی و مطالب کو سمجھا سکے۔ علم رجال، یعنی ان افراد کے حالات کا جاننے والا ہو جنھوں نے احادیث رسولؐ و آل رسولؐ کی روایت کی ہے۔ یعنی وہ راویان حدیث جو پیغمبر اکرمؐ اور ائمہ علیہم السلام کے اصحاب میں سے تھے۔ جنھوں نے بعثت رسولؐ سے لے کر امام آخر الزماںؑ تک خود پیغمبر اکرمؐ یا ائمہ علہیم السلام سے دینی احکام حاصل کر کے بیان کیے ہوں اور ان کے بعد وہ طبقات جن میں سے ہر طبقے نے اپنے سے پہلے طبقے سے، احادیث و روایات کو حاصل کر کے اپنے بعد آنے والے طبقے تک پہونچایا ہو۔ یہاں تک کہ یہ احادیث و روایات، حدیث کی کتابوں، صحاح اربعہ اور دیگر معتبر و مستند کتابوں میں درج ہوئیں۔ کتب اربعہ یعنی (شیعوں کی حدیث کی چار مستند کتابوں، کافی، من لایحضر، استبصار، تہذیب، تک، ان راویان حدیث کی تعداد تقریباً تیرہ ہزار کے قریب ہو جاتی ہے اور دیگر

حدیث کی معتبر کتابوں تک ان کی تعداد سینتیس (۳۷) ہزار کے قریب ہوتی ہے۔ اور پھر اس کے علاوہ مجتہد کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ان روایات و احادیث کی تحقیق بھی کرے کہ جس حدیث یا روایت سے استدلال کیا جارہا ہے، اس میں استدلال کی شرائط بھی پائی جاتی ہیں یا نہیں۔ کوئی دوسری روایت تو اس روایت کے خلاف نہیں ہے۔

مجتہد کو عربی ادب کا ماہر ہونے کے علاوہ، علم منطق، علم اصول فقہ اور تاریخ اسلام اور تمام اسلامی فرقوں کی فقہ کا عالم ہونا چاہیے۔ اس کے علاوہ مدتوں کی مشق اور کوشش کی بھی ضرورت ہے، اس کے بعد وہ مجتہد، اعلم دوراں اور مرجع کے مرتبے تک پہونچتا ہے صرف، صَرف و نحو، معانی و بیان اور منطق کی چند کتابوں کو پڑھ کر اور چند برسوں تک درس خارجہ میں شرکت کر کے کوئی بھی مرجعیت یا اَعلمیت کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔

مجتہد اعلم کے لیے ان تمام شرائط کے علاوہ کچھ اور شرائط بھی ہیں جن کی تکمیل کے بعد ہی وہ مجتہد اعلم، تقلید کے لائق قرار پاتا ہے۔ مجتہد اعلم کے لیے ان تمام شرائط کے بعد تقلید کرنے والوں کے لیے بھی کچھ شرطیں بیان کی جاتی ہیں۔ وہ یہ کہ مقلد اپنے مجتہد کی ہر بات

میں تقلید و پیروی ہنیں کرتا۔ مثلاً، اصول دین میں تقلید باطل ہے اور فروع دین میں بھی، قطعیات یعنی، واجبات و مسلمات کے خلاف تقلید صحیح ہنیں۔ مثلاً، نماز، روزہ، حج، زکوۃ، خمس،، جہاد، امر بالمعروف و نہی عن المنکر تولا و تبرا کے واجب ہونے کا یقین ہے، اس لیے اس کے خلاف کسی بھی مجتہد کا فتویٰ تسلیم ہنیں کیا جائے گا۔ اسی طرح، شراب، جوا، مردار، غصب، ظلم اور دوسرے ایسے ہی امور کے حرام ہونے میں جو دین اسلام میں سب کے سب قطعی و مسلمہ ہیں کہ اگر ان میں سے کسی کی بھی اباحت (یعنی جائز ہونے کا) کا فتوی ہو تو وہ قابل قبول ہنیں ہوگا۔

ان تمام تفصیلات کا نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ جو شخص بھی اپنے مذہبی مشکل مسائل کو خود کتاب و سنت (قرآن و حدیث سے حاصل کرنا چاہتا ہو تو اس کے لیے علم لغت عربی، علم رجال، علم اصول فقہ، علم تفسیر قرآن (بحوالہ ائمہ طاہرین) علم حدیث و علم منطق و تاریخ اسلام سے ہر علم کی کتابیں پڑھ لینا بھی کافی ہنیں ہے بلکہ صاحب نظر ہونا بھی ضروری ہے تاکہ صحیح طور پر اپنے اصل مقصد استنباط احکام (حصول احکام) تک پہونچ سکے۔ اب اگر کسی میں اتنا حوصلہ ہے اور

اس کے پاس اتنا وقت ہے کہ وہ اب تک بیان کی گئیں تمام تفصیلات کے مطابق ان مراحل کو خوبی کے ساتھ طے کرسکتا ہے تو اس کے لیے تقلید ضروری نہیں ورنہ مذکورہ بیانات و دلائل کے مطابق آپ پر واجب و لازم ہے کہ جس شخص نے ان تمام مراحل کو بخوبی طے کیا ہو (اور علماء عمومی طور پر یہ فیصلہ کریں کہ اس شخص نے ان تمام مراحل کو طے کرلیا ہے) تو آپ اس اعلم دوراں کی تقلید کریں اور اپنے موردا بتلاء (مشکل) مسائل میں اس کی طرف رجوع کریں۔

اجتہاد و تقلید کے متعلق ان تمام شرائط کی تفصیل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تقلید کے قائل اصولی شیعہ ہر مدعی اجتہاد کی تقلید کے قائل نہیں ہیں بلکہ اوپر بیان کی گئیں سخت ترین شرائط پر پورے اترنے والے "اعلم دوراں مجتہد" کی تقلید کے قائل ہیں۔ اب اگر اس تفصیل کا پورا پورا علم رکھنے والے، ہمارے ہی شیعہ عقائد کے حامل، بعض افراد، نام نہاد" مجتہد" موسیٰ موسوی کی کتاب" مسلک اعتدال" کے حوالوں سے طریقہ اجتہاد و تقلید پر یقین

رکھنے والے اصولی شیعوں کو مطعون کرنا چاہتے ہیں تو یہ ان کی فکر کی غلطی ہے کیونکہ اس کتاب کی تمام تحریروں سے ظاہر ہے کہ مصنف کا قلم امریکہ اور وہابیت کے مبلغوں کے ہاتھوں بکا ہوا ہے ۔ یہ کتاب اسلامک بک فاونڈیشن کے مطبع سے چھپی ہے ۔ اور یہ ادارہ ہندوستان میں وہابی تحریک کی نشر واشاعت کا کام کرتا ہے ۔ اس کتاب کے مترجم ابو مسعود ندوی ، وہابی مسلک کے ہیں ۔ اس کتاب کے مصنف موسیٰ موسوی کو اگرچیکہ شیعہ مجتہد ظاہر کیا گیا ہے لیکن اس کتاب میں جوکچھ موسیٰ موسوی کے قلم سے لکھا گیا ہے اسے پڑھ کر ، معمولی سوجھ بوجھ کا آدمی بھی انہیں مجتہد تو کجا شیعہ بھی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوگا ۔ اسی طرح ایک اور ایرانی مصنف کی کتاب حماسہء حسینی ، تحریفات عاشورہ ، بھی اس لئے رد کئے جانے کے قابل ہے کہ مصف نے مسلمہ و مصدقہ واقعات تاریخ و عقائد شیعہ کے خلاف گفتگو کی کوشش کی ہے ۔ ان کتابوں کے متعلق وہابی حضرات اور اخباری طرز فکر کے حامل ہونے کا دعویٰ کرنے والے افراد نے سارا ہنگامہ اس لئے کھڑا کیا ہے کہ ان کتابوں کے مصنفین کا تعلق ایران سے ہے ۔ حالانکہ ان کتابوں کے علاوہ بھی اگر بالفرض ایران کے ایسے

ہی کسی اور نام نہاد شیعہ عالم یا لیڈر کا کوئی بھی فتویٰ یا کوئی بھی کتاب مسلمہ عقائد شیعہ کے خلاف ہو تو وہ کتاب یا فتویٰ اصولی شیعوں کے لئے، اس لئے رد کر دیئے جانے کے قابل ہو گا کہ تقلید کے قائل تمام اصولی شیعہ ملک ایران اور علمائے ایران کی قابل ستائش مذہبی خدمات کا اعتراف تو ضرور کرتے ہیں اور احترام بھی۔ لیکن ایران کے ہر عالم یا ہر لیڈر کی تقلید میں نہیں ہیں۔ حقیقی احترام کے قابل اجتہاد و تقلید کا سلسلہ تو ابتدائے اسلام سے ہی اہم ضرورت کے طور پر ملتا ہے۔ حضور اکرم صلعم کے دور میں اور آپؐ کے بعد دور آئمہ معصومین علیھم السلام میں بھی جب کہ نئے نئے حلقہ بگوش اسلام ہونے والوں کی تعداد مختلف شہروں اور ملکوں میں روز بروز بڑھتی جا رہی تھی تو ہر ملک اور ہر شہر کے تمام طالبان ہدایت کے لئے حضور اکرمؐ تک یا حجت خدا ائمہ معصومین علیھم السلام تک پہونچ کر براہ راست ہدایت حاصل کرنے کی سہولتیں موجود نہیں تھیں۔

واقعات تو یہی کہتے ہیں کہ ہر ملک اور ہر شہر کے مومنین اپنے اپنے مشکل مسائل دینی کے حل کے لئے اپنے ہی ملک یا شہر کے کسی زیادہ علم رکھنے والے فقیہہ کے ذریعہ اپنی دینی مشکلات کو حل کیا کرتے

تھے اور وہ فقیہہ خود محنت کر کے یا تو حضور اکرمؐ تک، یا آپ کے بعد ائمہ معصومینؑ تک پہونچ کر، یا آپ کے ارشادات کو معتبر اور موثق ذرائع سے حاصل کر کے، مشکل مسائل و احکام دینی کو ناواقف مومنین تک پہونچانے کی کوشش کرتے تھے۔ اس طرح اجتہاد و تقلید کا دور حضور اکرمؐ اور دور ائمہ معصومین علیھم السلام میں موجود ہونا ضروری ثابت ہوتا ہے۔

اس لیے اجتہاد و تقلید کا سلسلہ اگرچیکہ دور ائمہ معصومین علیہ السلام سے ملتا ہے (اس سلسلے میں حدیث پہلے درج کی جاچکی ہے) لیکن تذکرہ نگاروں نے فقہا کی تاریخ کو غیبت کبریٰ ۳۲۹ھ سے متصل کرتے ہوئے علامہ علی ابن بابویہ قمی علیہ الرحمہ (والد بزرگوار شیخ صدوق علیہ الرحمہ) سے موجودہ مرجع مومنین اعلم دوراں آیت اللہ العظمیٰ آقائے سید علی الحسینی سیستانی مدظلہ العالی تک مسلسل بیان کیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) علی ابن بابویہ قمی وفات ۳۲۹ھ (یہ مشہور فقیہ اور محدث ابن علی ابن بابویہ قمی المعروف شیخ صدوق علیہ الرحمہ کے والد تھے)۔

(۲) عیاشی سمرقندی، صاحب تفسیر عیاشی (یہ ابتداً سنی المسلک تھے بعد

میں مذہب جعفری اختیار کیا۔ وفات ۳۶۷ھ یا ۳۶۸ھ۔

(۳) ابن عقیل عمانی (ان کی تاریخ وفات پر گمنامی کا پردہ پڑا ہوا ہے)

(۴) محمد ابن علی ابن بابویہ قمی المعروف شیخ صدوق وفات ۳۸۱ھ۔

(۵) ابن جنید اسکافی وفات ۳۸۱ھ۔ (یہ شیخ مفید کے اساتذہ میں سے تھے)

(۶) شیخ مفید علیہ الرحمہ وفات ۴۱۳ھ۔ پورا نام محمد بن محمد بن نعمان ہے۔ یہ متکلم بھی تھے اور فقیہ بھی۔

(۷) شیخ مرتضیٰ المعروف علم الہدیٰ۔ وفات ۴۳۶ھ۔

(۸) شیخ ابو جعفر طوسی المعروف شیخ الطائفہ۔ وفات ۴۶۰ھ۔ (آپ نے حوزہ علمیہ نجف اشرف کی بنیاد رکھی)۔

(۹) قاضی عبدالجلیل حلبی۔ وفات ۴۸۱ھ۔

(۱۰) سید ابو المکارم بن زہرہ۔ وفات ۴۸۵ھ۔

(۱۱) ابن حمزہ طوسی المعروف بہ عماد الدین طوسی۔ وفات ۵۵۰ھ۔

(۱۲) ابن ادریس حلی۔ وفات ۵۹۸ھ۔

(۱۳) شیخ ابو القاسم جعفر بن حسن بن یحییٰ بن سعید حلی۔ وفات ۵۹۸ھ

(۱۴) نجم الدین جعفر ابن یحییٰ المعروف بہ محقق اول صاحب شرائع الاسلام - وفات ۶۷۶ھ -

(۱۵) حسن بن یوسف بن علی بن مطہر حلی - المعروف علامہ حلی - وفات ۷۲۶ھ -

(۱۶) فخر المحققین پسر علامہ حلی - وفات ۷۷۱ھ -

(۱۷) محمد ابن مکی المعروف بہ شہید اول - شہادت ۷۸۶ھ -

(۱۸) فاضل مقداد - وفات ۸۲۶ھ

(۱۹) ابو العباس احمد بن فہد حلی اسدی - وفات ۸۴۱ھ

(۲۰) شیخ علی بن بلال جزائری - وفات ۹۳۷ھ -

(۲۱) شیخ علی بن عبدالعالی کرکی المعروف محقق کرکی - وفات ۹۳۷ھ یا ۹۴۰ھ -

(۲۲) شیخ زین الدین المعروف شہید ثانی - شہادت ۹۶۶ھ -

(۲۳) احمد بن محمد اردبیلی المعروف مقدس اردبیلی - وفات ۹۹۳ھ -

(۲۴) شیخ بہاالدین عاملی المعروف شیخ بہائی - وفات ۱۰۳۰ھ یا ۱۰۳۱ھ -

(۲۵) ملا محمد باقر سبزواری المعروف محقق سبزواری - وفات ۱۰۹۰ھ -

(۲۶) آقا حسین خوانساری المعروف محقق خوانساری -

(۲۷) آقا جمال خوانساری ۔ وفات ۱۱۳۱ھ ۔

(۲۸) شیخ بہاالدین اصفہانی المعروف فاضل ہندی ۔ وفات ۱۱۳۷ھ ۔

(۲۹) محمد باقر بن محمد اکمل بہبہانی المعروف وحید بہبہانی ۔ وفات ۱۲۰۵ھ ۔

(۳۰) سید مہدی بحرالعلوم ۔ وفات ۱۲۱۲ھ (ابتدائی دور میں ملا محمد امین کی اخباری تحریک سے متاثر رہے پھر اس طرز فکر کو خیر باد کہہ کر علامہ وحید بہبہانی کی شاگردی اختیار کرلی) ۔

(۳۱) شیخ جعفر کاشف الغطا ۔ وفات ۱۲۲۸ھ ۔

(۳۲) شیخ مرتضیٰ انصاری ۔ وفات ۱۲۸۱ھ ۔

(۳۳) حاج مرزا محمد حسن شیرازی ۔ وفات ۱۳۱۲ھ ۔

(۳۴) سید محمد کاظم طباطبائی ۔ وفات ۱۳۲۷ھ ۔

(۳۵) علامہ محمد کاظم خراسانی ۔ وفات ۱۳۲۹ھ ۔

(۳۶) حاج مرزا حسین نائینی ۔ وفات ۱۳۵۵ھ ۔

(۳۷) حاج آقا حسین بروجردی ۔ وفات ۱۳۸۰ھ ۔

(۳۸) سید محسن الحکیم طاب ثراہ ۔

(۳۹) سید ابوالقاسم الخوئی رضوان اللہ علیہ ۔ وفات ۱۴۱۳ھ ۔

(۴۰) اعلم دوراں آیت اللہ العظمیٰ آقائے سید علی الحسینی سیستانی مدظلہ العالی۔

اخباریت

اب تک ہم نے مختصراً "اصولیت" یعنی اجتہاد و تقلید کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی، اور اب "اخباریت" کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ اخباریت، مذہب شیعہ اثنا عشری کے اصل، اصول دین و فروع دین سے الگ کوئی چیز نہیں۔ اصول دین وہی پانچ ہیں اور فروع دین وہی دس ہیں جن کو تمام اصولی علماء و مجتہدین تسلیم کرتے ہیں، لیکن اختلاف ان اصول دین و فروع دین پر عمل کرنے کے طریقے پر ہے۔ اصولی علماء و مجتہدین نے، اصول دین و فروع دین پر عمل کرنے کے لیے جن چار اصولوں، قرآن، سنت (حدیث) اجماع (علمائے شیعہ کا اتفاق) اور عقل، کو رہنما قرار دیا، اخباری طرزِ فکر کے بانی، ملا محمد امین استرآبادی نے ان میں سے تین اصولوں، قرآن مجید، اجماع اور عقل کو بعض دلائل کی روشنی میں، احکام و مسائل کو حل کرنے کے لیے ناکافی قرار دے کر، ان تینوں

اصولوں کی مخالفت کی اور اس طرح انھوں نے تمام مسائل و احکام کے حل کے لیے، خبر، یعنی حدیث ہی کو مکمل اور کافی قرار دینے کی کوشش کی اور ان "اخبار" (احادیث) کی موجودگی میں کسی بھی اصولی عالم یا مجتہد جو احکام و مسائل کو حل کرنے کے لیے ان چاروں اصولوں پر کار بند ہو) کی تقلید کو غیر ضروری، غیر واجب، بلکہ حرام قرار دینے کی بھی کوشش کی۔

خبر عربی لفظ ہے اور اخبار، خبر کی جمع ہے۔ اس کے لغوی معنی و مفہوم سے اردو داں افراد بھی بخوبی واقف ہیں لیکن اصطلاحی معنوں میں خبر، حدیث کو بھی کہتے ہیں اور احادیث کو اخبار۔ چونکہ ۱۰۳۲ھ میں ملا محمد امین نے فقہ کے چاروں اصولوں (قرآن۔ حدیث۔ اجماع عقل) میں سے صرف خبر یعنی حدیث ہی کو احکام و مسائل کے حل کے لیے کافی اور باقی تینوں اصولوں کو بعض دلائل کے ذریعے ناکافی قرار دے کر مذہب شیعہ اثنا عشری میں ایک الگ مسلک کی بنیاد رکھی اس لیے وہ اور ان کے ہمنوا اخباری کہلائے۔ ملا محمد امین سے پہلے اخباری علماء محدثین کو بھی کہا جاتا تھا لیکن ۱۰۳۳ھ میں اور اس کے بعد یہ لفظ اخباری اپنے اصطلاحی معنوں میں ملا محمد امین کے ایجاد کردہ مسلک

کے افراد کے لیے مخصوص ہوگیا۔ ملا محمد امین سے پہلے کے شیعہ علماء میں سے، ان تینوں اصولوں کا ایک ساتھ انکار کرنے اور انھیں مکمل طرح سے ناکافی قرار دینے کا اعلان کسی شیعہ عالم نے نہیں کیا۔ اور نہ ہی اخباریت کے ایک الگ طرز فکر ہونے کے متعلق شرائط و قوانین کی وضاحت کی۔

وہ کون سے دلائل ہیں جن کی بناء پر ملا محمد امین استرآبادی نے اصولی علماء و مجتہدین سے اختلاف کرتے ہوئے اخباریت کو، اصولی علماء و مجتہدین کے طریقے سے الگ مذہب شیعہ اثنا عشری پر عمل کرنے کا صحیح اور لازمی طریقہ ثابت کرنے کی کوشش کی، ان کے ذکر سے پہلے، اخباریت کے ظہور کے وقت موجود بعض تاریخی حالات و محرکات کا ذکر بھی ضروری ہے۔

آج سے چار سو برس پہلے جب کہ ملک ایران میں اخباریت کی تحریک کا ظہور ہوا، اس وقت مجتہدین مذہب شیعہ نے ایران کے بادشاہان شیعہ کے دور میں بڑا مرتبہ حاصل کرلیا تھا۔ شاہان صفویہ سب کے سب، شیعہ اثنا عشری تھے۔ شاہ عباس صفوی (۹۸۹ھ سے ۱۰۳۸ھ تک) اس خاندان میں بڑے جاہ و جلال اور شوکت و اقبال

والا بادشاہ ہوا ہے اور دنیا کے چند بڑے بادشاہوں میں اس کا شمار
ہوتا ہے۔ اس کے عہد میں ایران میں مذہب شیعہ کو خوب ترقی ہوئی
اس بادشاہ نے مذہب شیعہ کے علوم کو ترقی دینے کے لئے بے شمار
مدارس قائم کئے۔ طلباء کے لئے وظائف جاری کیئے، جس کے باعث
لوگ فکر معاش سے بے نیاز ہو کر دین کی تبلیغ اور علوم کی تعلیم میں
مصروف ہوگئے۔ ایک انگریز مورخ، ایڈورڈ براؤن نے اپنی مشہور
کتاب "تاریخ ادبیات ایران" (یہ کتاب مصنف کے مقدمے کے
مطابق، مصنف نے بائیس سال کی مسلسل محنت و تحقیق اور
سینکڑوں قدیم فارسی کتابوں اور تاریخوں کے مطالعے کے بعد اور
ایران میں مسلسل قیام اور وہاں کے کئی سفر کرنے کے بعد اور ۱۹۲۴
یعنی اپنے عہد کے بڑے بڑے مشہور شیعہ علماء سے، شیعہ مذہب کے
مختلف مسائل کے متعلق سیر حاصل معلونات حاصل کرنے کے بعد
مکمل کی ہے) کی چوتھی جلد میں لکھتے ہیں۔ "شاہان صفویہ کا یہ عقیدہ تھا
کہ مجتہدین و علمائے کرام امام غائب حضرت حجۃ العصرؑ کے نائب
ہوتے ہیں۔ اسی لئے وہ ان علماء و مجتہدین کی بے حد تعظیم و تکریم کیا
کرتے تھے۔"

اس بات کی وضاحت کے لئے پروفیسر براؤن نے صاحب قصص العلماء اور صاحب لؤلؤۃ البحرین وغیرہ کے حوالے سے شاہان صفویہ کے علماء و مجتہدین کے اعزاز و مرتبے کو بڑھانے کی کوششوں کے متعلق بہت سے پراثر واقعات بیان کئے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک عالم دین، سید عبداللہ تونی کے متعلق یہ واقعہ لکھا ہے کہ جب یہ عالم دین ایک مرتبہ گھوڑے پر سوار ہو کر، اصفہان کے میدان شاہ سے گزرے تو اپنے وقت کا سب سے بڑا شہنشاہ، شاہ عباس صفوی ان کے گھوڑے کے آگے آگے پا پیادہ چل رہا تھا تاکہ عوام الناس کو معلوم ہو جائے کہ علم کی کتنی عزت کی جاتی ہے۔

اسی طرح ایک مرتبہ ایک شیعہ امیر کسی قصور کی وجہ سے شاہ عباس صفوی کے عتاب میں مبتلا ہوا اور اس نے اس دور کے ایک جید شیعہ عالم، علامہ مقدس اردبیلی سے (جو نجف میں رہتے تھے) سفارش کی التجا کی۔ علامہ مقدس اردبیلی نے اس معتوب امیر کی سفارش کے لئے ایک نہایت مختصر سا خط، بادشاہ کے نام لکھا اور اس خط میں بادشاہ کو "یا اخی" (اے بھائی) سے مخاطب کرتے ہوئے لکھا۔

اے بھائی - سلام علیکم

بانی ملک عارضی، عباس کو معلوم ہو کہ

یہ مرد اول ظالم تھا اور اب اپنے آپ کو مظلوم

ظاہر کر رہا ہے - اس کی تقصیر معاف کر دے -

شاید اس کے صلے میں حق تعالیٰ تیری کسی

تقصیر کو معاف کر دے -

بندہ شاہ ولایت

تمہارا اردبیلی

جب یہ خط شاہ عباس صفوی کے پاس پہونچا اور جب اسے معلوم ہوا کہ اس کے نام علامہ مقدس اردبیلی کا خط آیا ہے تو بادشاہ خط کی تعظیم کے لئے اٹھ کھڑا ہوا - پہلے تو اس خط کو بوسہ دیا، پھر آنکھوں سے لگایا اور اس کے بعد خط کو کھولا اور خط پڑھنے کے بعد اس بات پر فخر کا اظہار کرنے لگا کہ "نائب امام" نے اسے بھائی کہہ کر مخاطب کیا - پھر شاہ نے اس قصوروار معتوب امیر کو اس سفارش کی وجہ سے معاف کر دیا - اور اس کے بعد اس نے یہ وصیت کی کہ یہ خط (جس میں نائب امام نے اسے بھائی کہہ کر مخاطب کیا ہے) اس کے مرنے کے بعد اس کے کفن میں رکھ دیا جائے" - پروفیسر براؤن اپنی

اسی کتاب میں آگے چل کر صفحہ (۵۰۰) پر لکھتے ہیں۔

"جو کچھ اب تک بیان ہوا ہے، وہ یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ اس زمانے میں علماء و مجتہدین کا رسوخ کس قدر تھا اور ان کی کتنی عزت کی جاتی تھی۔ بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ ان میں سے اکثر کا رسوخ اور اقتدار تو وزرائے سلطنت سے بھی زیادہ ہوا کرتا تھا کہ یہ لوگ بعض مسائل میں علانیہ بادشاہ کی مخالفت کرتے تھے اور اس پر غالب بھی آجاتے تھے اور پھر بھی اس باز پرس سے محفوظ رہتے تھے جو خاطی وزیروں سے کی جاتی تھی"۔ صاحب قصص العلماء، صاحب لؤلؤۃ البحرین اور پروفیسر براؤن (مصنف تاریخ ادبیات ایران) کے بیان کردہ ان واقعات سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ مذہب شیعہ امامیہ اثنا عشری کی نشر و اشاعت اور تبلیغ میں شاہان ایران اور ان کے دور کے علماء و مجتہدین نے ازحد کاوشیں کیں اور ان کوششوں اور محنتوں کی وجہ سے اس دور میں ایران شیعیت کی تبلیغ کا سب سے بڑا مرکز بن گیا تھا، جس کی وجہ سے، ایرانی بادشاہوں کے درباروں میں مجتہدین کا اثر و رسوخ اس حد تک بڑھ گیا تھا کہ پروفیسر ایڈورڈ براؤن لکھتے ہیں۔

"جیسا کہ اس سے پہلے لکھا جاچکا ہے کہ شاہان صفویہ (اور دیگر

شاہان ایران) مجتہدین کو امام موجود حضرت حجۃ العصرؑ کا قائم مقام
سمجھا کرتے تھے ۔ مجتہد کو رعایا کی زندگی اور موت پر پورا پورا اختیار ہوتا
تھا ۔ (صفحہ ۴۹۷)

جب مجتہدین کا اثر و رسوخ اس حد تک بڑھ گیا کہ جہاں سے آگے کوئی اور بلندی باقی نہ رہی ، تو مجتہدین کا یہ مرتبہ ، یہ وقار ، ان علماء کے لئے رشک و حسد کا باعث بن گیا ، جنہوں نے اپنی استعداد ذہنی اور بساط علمی کی حد تک ، سعی و کوشش تو ضرور کی تھی لیکن علمی اعتبار سے شاہی دربار میں وہ مرتبہ اور وہ اعزاز حاصل نہ کر سکے تھے جو مجتہدین کو حاصل تھا ۔ انسان فطرتاً حب نفس اور حب جاہ و مرتبے کے جذبے کا حامل ہوتا ہے ۔ اور بعض اوقات یہ جذبے ، جذبہ ، حسد کی پیدائش کا باعث بن جاتے ہیں ۔ اسی لئے بعض افراد ، دوسروں کو حاصل مرتبے و اعزاز کو گھٹانا (کم کرنا) چاہتے ہیں اور خود کو ان کے برابر یا ان سے بڑھ کر ثابت کرنا چاہتے ہیں ۔ اس کے لئے وہ مقابل علماء کی علمی خدمات ، یا علمی کاوشوں کو نہ صرف یہ کہ تسلیم ہنیں کرتے بلکہ ان خدمتوں اور کوششوں کو ہی سرے سے غلط اور نقصان دہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہوئے ، اپنے سے کم علم افراد میں ، جنہیں عرف

عام میں نادان اور سادہ لوح کہا جاتا ہے، یہ تبلیغ کرتے ہیں کہ جن خدمتوں کی تعریف ہو رہی ہے ان کی تعریف نہیں بلکہ مذمت کرنی چاہیے۔ کیونکہ ان خدمتوں میں یہ یہ خرابیاں ہیں اور یہ کام ایسے نہیں بلکہ ایسے کرنا چاہیے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آج سے چار سو برس پہلے، شاہ عباس صفوی (متوفی ۱۰۳۸ھ) کے دور میں جب ملا محمد امین استرآبادی (متوفی ۱۰۳۳ھ) نے (جو اس دور کے ایک عام شیعہ عالم تھے) مجتہدین عظام کا یہ مرتبہ اور یہ وقار دیکھا، جو خود ان کو حاصل نہیں تھا تو انھوں نے عوام میں ایسے عقائد اور نظریات کی تبلیغ شروع کی جو بظاہر تو نظریہ اجتہاد اور طریقہ تقلید کے خلاف تھے لیکن در حقیقت مجتہدین کے خلاف تھے۔ ان نظریات کی تبلیغ و اشاعت کے لئے انہوں نے اپنی چالاکی سے ایک نئے مکتب فکر، یعنی مذہب شیعہ اثنا عشری میں اخباری مذہب کی بنیاد رکھنے کی کوشش کی اور اس فکر کو تسلیم کرنے والوں کو ان لوگوں سے الگ کرنے کی کوشش کی جو مسائل دینی پر عمل کرنے کے لئے مجتہدین کی تقلید کرتے تھے۔ اس طرح اس دور میں یعنی ۱۰۳۳ھ میں، ملا محمد امین استرآبادی نے کچھ گنے چنے افراد کو مجتہدین کی تقلید سے تو آزاد کروا لیا لیکن جتنے لوگوں نے بھی ملا محمد امین

استرآبادی کے دلائل کو تسلیم کیا، عملی طور پر وہ سب لوگ مجتہدین کی تقلید سے نکل کر ملا محمد امین کے مقلدین میں شامل ہوگئے ۔ یعنی، نظریہ تقلید غیر معصوم کو حرام سمجھنے والے، ایک کی تقلید سے نکل کر دوسرے کی تقلید میں داخل ہوگئے ۔" اس طرح اخباری طرز فکر کی بنیاد رکھنے کی پہلی کوشش کی گئی ۔ مذہب شیعہ میں اخباری مکتبہ فکر کی ابتداء اور اس کے بانی کے متعلق پروفیسر براؤن "تاریخ ادبیات ایران" کی چوتھی جلد صفحہ ۵۰۶ پر صاحب لؤلؤۃ البحرین اور صاحب قصص العلماء کے حوالے سے لکھتے ہیں ۔

"اس موقع پر ہمیں اخباری اور اصولی مذہب کا فرق بھی بتا دینا چاہیے ۔ مذہب اصولی آج کل بھی رائج ہے لیکن اخباری مذہب اگرچیکہ کسی زمانے میں بہت مشہور تھا، لیکن آج کل کچھ ایسا لائق اعتنا نہیں رہا (مصنف نے یہ کتاب ۱۹۲۴ء میں لکھی ہے) ان دونوں مذاہب کے پیروؤں میں ہمیشہ شدید مخالفت رہی ہے ۔ اصولی مذہب جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، ان عام اصولوں کی پیروی کرتا ہے جو قرآن اور معتبر احادیث سے مستنبط ہوتے ہیں اور استخراج نتائج میں عقل کو دخل دیتا ہے ۔ برخلاف اس کے اخباری مذہب میں صرف اخبار (من

وعن احادیث) کی پیروی کی جاتی ہے اور عقل کو مطلق دخل نہیں دیا جاتا - عام طور سے ملا محمد امین ابن محمد شریف استر آبادی (وفات ۱۰۳۳ھ مطابق ۱۶۲۳ء) کو اخباری مذہب کا بانی سمجھا جاتا ہے بقول صاحب لؤلؤۃ البحرین کے ، یہی وہ سب سے پہلے بزرگ تھے جنہوں نے مجتہدین پر لعنت ملامت کا دروازہ کھولا - جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فرقہ ، ناجیہ ، اخباریوں اور مجتہدین (اصولیوں) میں تقسیم ہوگیا - ان کی کتاب فوائد المدنیہ تمام تر مجتہدین پر حملوں سے بھری ہوئی ہے ، جنہیں وہ " مذہب حقہ کی بربادی " کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں - اسی مذہب کے ایک اور عالم جو بعد کے زمانے میں ہوئے مرزا محمد اخباری ، ساکن بحرین ، کو مجتہدین سے اتنی عداوت تھی کہ انہوں نے ، فتح علی شاہ قاچار (شاہ ایران) سے وعدہ کیا تھا کہ میں چالیس روز کے اندر ، اس روسی جنرل کا سر جو ایران کے سرحدی صوبوں کو تاخت و تاراج کر رہا ہے ، تہران میں شاہ کی خدمت میں پیش کر دوں گا ، لیکن شرط یہ ہے کہ اگر میں اپنا وعدہ پورا کر دوں تو شاہ مجتہدین سے کوئی سروکار نہ رکھے - انھیں (مجتہدین کو) سرزمین ایران سے بیخ و بن سے خارج کر دے ، اور ساری مملکت میں " اخباری " مذہب کو رائج کر دے - شاہ نے وعدہ

کرلیا۔ تب ان اخباری عالم (مرزا محمد اخباری نے چالیس روز کا چلہ کھینچا۔ ترک حیوانات کیا اور ایک موم کا پتلا بنا کر تلوار سے اس کا سر کاٹ کر روسی جنرل کی ہلاکت کا عمل شروع کیا۔ روایت ہے کہ پورے چالیس دن کی موعودہ (وعدہ کی ہوئی) مہلت کے بعد روسی جنرل کا سر بادشاہ کے سامنے حاضر کردیا گیا۔ (ممکن ہے بظاہر سفلی عمل کے ذریعے قتل کا بہانہ کرتے ہوئے لیکن حقیقتاً، چھپ کر سازشی طریقے سے اس روسی جنرل کو قتل کیا گیا ہوگا۔ کیونکہ موت وحیات کا دینے والا اللہ ہے۔ جادوئی طریقے سے نقصان پہونچانے اور قتل کرنے کی کوئی اصل نہیں۔ یہ صرف وسوسے ہیں)۔ اب بادشاہ نے اپنے مشیروں سے رائے طلب کی (اخباری عالم نے مجتہدین کو ایران سے نکال دینے اور اخباری مذہب کو سرکاری طور پر رائج کرنے کی جس خواہش کی خاطر یہ کام کیا، اس خواہش پر عمل کیا جائے، یا نہیں) ان مشیروں نے عرض کیا کہ طبقہ مجتہدین ائمہ معصومینؑ کے وقت سے اب تک برابر قائم ہے اور ان کا مذہب (اصولی) مبنی بر صداقت ہے۔ برخلاف اس کے "اخباری" طبقے کی تعداد کم اور کمزور ہے۔ اس کے علاوہ ابھی "قاچاریہ دور" کی ابتداء ہی ہے۔ ممکن ہے کہ آپ اپنے حکم سے رعایا کے پرانے

عقائد کو تبدیل کر سکیں، لیکن اندیشہ ہے کہ مبادا ایسی کارروائی حضور کے عہد حکومت کے لئے مضر ثابت ہو اور رعایا بغاوت کر دے۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ مرزا محمد اخباری (اخباری عالم) کبھی آپ سے بھی خفا ہو جائیں اور آپ کے دشمنوں سے ساز باز کر کے، آپ کا بھی وہی حشر کریں جو انہوں نے روسی جنرل کا کیا۔ پس مناسب ترین صورت یہ ہے کہ آپ ان کی دل جوئی کریں۔ ان سے معذرت خواہ ہوں اور حکم دے دیں کہ آستان ہائے مقدسہ یعنی کربلا یا نجف دونوں میں سے کسی جگہ چلے جائیں اور وہیں سکونت اختیار کر لیں۔ کیونکہ ایسے خطرناک شخص کا دارالخلافہ میں رہنا قرین مصلحت نہیں۔ چنانچہ فتح علی شاہ قاچار نے اس مشورے پر عمل کرنے کا تصفیہ کر لیا"۔ (تاریخ ادبیات ایران، صفحہ ۵۰۶ سے صفحہ ۵۰۹ تک۔ مترجم انجمن ترقی اردو دہلی، مطبوعہ ۱۹۳۹ء۔ قصص العلماء طبع طہران صفحہ ۱۳۲۔ طبع لکھنؤ صفحہ ۱۸۸)۔ بانی مذہب اخباری، ملا محمد امین استرآبادی نے اخباری فرقے کے، عقائد و افکارات کی تشریح اس طرح کی ہے۔

"احکام دینی پر عمل کرنے کے لئے مشکل مسائل میں قرآن کو اس لئے حجت نہیں مانا جاسکتا کہ قرآن صرف پیغمبر کے اہلبیت ہی سمجھ

سکتے ہیں۔ جب ہم اسے سمجھ ہی نہیں سکتے تو پھر اسے حجت اور سند کیسے قرار دے سکتے ہیں۔ مسائل و احکام کے حصول کے لئے اخبار یعنی احادیث رسول و آل رسول کی حدیثوں کی طرف رجوع کرنا ہی ہماری ذمہ داری ہے اور تمام دینی احکام و مشکل مسائل میں صرف سنت ہی ہمارے لئے حجت اور سند ہے۔ عقل کی حجت کا انکار اس لئے کرنا چاہیے کہ عام انسان یعنی غیر معصوم کی عقل، مسائل و احکام کے حاصل کرنے کے لئے حجت نہیں ہو سکتی۔ اجماع یعنی کسی بھی مشکل مسئلے کے متعلق صحیح حکم تک پہونچنے کے لئے کثیر علمائے مذہب شیعہ کا متفق ہونا بھی اس لئے حجت نہیں قرار دیا جا سکتا کہ "اجماع" اہلسنت کی بدعت ہے۔ اخباری مذہب کے عقائد و افکار و اعمال کی بنیاد یہی ہے جو بیان کی گئی اور یہ بنیاد مجتہدین کی مخالفت میں قائم کی گئی ہے کیونکہ مجتہدین نے مذہبی احکام و مسائل کے حل کے لئے یہی چار اصول قائم کئے ہیں، جن کی وجہ سے انھیں اور ان کی تقلید کرنے والوں کو اصولی کہا جاتا ہے۔ یعنی قرآن، سنت (حدیث)، اجماع (علمائے مذہب شیعہ امامیہ کا کسی مسئلے کے بارے میں اتفاق) اور عقل۔ جن میں سے تین کی اخباری مخالفت کرتے ہیں اور صرف

سنت (احادیث) ہی کو ہر مسئلے کے حل کے لئے حجت قرار دیتے ہیں۔

مجتہدین مذہب شیعہ یعنی اصولیوں کے پاس بھی بہرحال کتاب و سنت (قرآن و حدیث) ہی حجت ہیں اور اجماع (علمائے شیعہ کا اتفاق) اور عقل، کتاب و سنت سے مسائل کے حل کے لئے مددگار ہیں بذات خود حجت نہیں۔ لیکن اخباریوں کے پاس صرف اخبار (احادیث) ہی حجت ہیں اور وہ تمام حدیثیں جو صحاح اربعہ (شیعوں کی حدیثوں کی چار مستند کتابیں) یعنی کافی، من لایحضرہ الفقیہ، تہذیب اور استبصار میں بیان ہوئی ہیں، صحیح، معتبر اور قطعی الصدور ہیں۔ یعنی رسول اللہ صلعم اور ائمہ طاہرین سے ان حدیثوں کا صادر ہونا یقینی ہے۔

ملا محمد امین استرآبادی، بانی مسلک اخباریت کے بیان کردہ ان عقائد و افکار کی بناء پر مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ "اخباری" (عقلی دلیل کے ذریعے) عقل کے دشمن، قرآنی دلائل کو نہ سمجھ سکنے کا بہانہ کرکے، قرآنی دلائل کو تسلیم نہ کرنے والے اور اس نظریاتی اختلاف کی وجہ سے علماء و مجتہدین کی تحقیر کرنے والے اور صرف اخبار یعنی احادیث پر عمل کا دعویٰ کرنے والے ان افراد کو کہا جائے گا جو ان

بیان کردہ عقائد و افکار میں تو مشترک ہیں لیکن عمل کی منزل میں ہ

ایک تنہا

ہے۔ کیونکہ ہر ایک کو خود احادیث کا مطالعہ کرنا اور مسائل و احکا

دینی کو حاصل کر کے اس پر عمل کرنا ہے۔ اخباری افراد، ان عقائد

افکار کی روشنی میں ایک دوسرے کی یا کسی اخباری عالم کی تقلید بھی

نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ان ہی کے قول کے مطابق غیر معصوم کی تقلید تو

حرام ہے۔ جناب مرتضیٰ مطہری اپنے مقالے "اجتہاد و تقلید" میں

اخباری مکتب فکر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"میں یہاں اس خطرناک تحریک کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں، جو

تقریباً چار صدی قبل شیعہ دنیا میں، اجتہاد کے موضوع سے متعلق وجود

میں آئی ہے اور وہ "اخباریت کی تحریک" ہے۔ اگر کچھ جید اور دلیر علماء

نہ ہوتے اور اس تحریک کا مقابلہ کر کے اسے سرکوب نہ کرتے تو نہیں

معلوم آج ہماری کیا حالت ہوتی۔ دبستان اخباریت کی عمر چار صدی

سے زیادہ نہیں ہے۔ اس اسکول کے بانی ملا محمد امین استرآبادی ہیں،

جو بذات خود بہت زیادہ ذہین (چالاک) تھے۔ خود اخباریوں کا دعویٰ

ہے کہ شیخ صدوقؒ کے زمانے تک تمام قدیم شیعہ علماء اخباری تھے،

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اخباریت ایک اسکول (الگ مذہب) اور کچھ معین اصول و قوانین کی شکل میں، جو عقل کی حجیت کی منکر ہو، قرآن کی حجیت و سندیت کی یہ بہانہ بنا کر منکر ہو کہ "قرآن صرف پیغمبر اور اہلبیت ہی سمجھ سکتے ہیں، ہماری ذمہ داری فقط اہلبیت علیہم السلام کی حدیثوں کی طرف رجوع کرنا ہے اور اجماع سنیوں کی بدعت ہے۔ لہذا ادلہ، اربعہ (چاروں دلائل) قرآن، سنت، اجماع، عقل میں سے صرف سنت (احادیث) ہی حجت ہے۔ ان اصولوں کا پیرو اسکول چار سو سال پہلے (یعنی ملا محمد امین کے پہلے) موجود نہ تھا۔ بہرحال اخباریت کا اسکول اجتہاد و تقلید کے دبستان کے خلاف ہے (قرآن و سنت سے مشکل مسائل کو حل کرنے کے لئے) جس صلاحیت، قابلیت اور فنی مہارت کے مجتہدین قائل ہیں، اخباری اس کے منکر ہیں۔ وہ غیر معصوم کی تقلید کو حرام جانتے ہیں۔ اس اسکول کا حکم یہ ہے کہ چونکہ صرف حدیث ہی حجت و سند ہے اور اس میں بھی کسی کو اجتہاد و نظر کا حق نہیں ہے لہذا عوام پر فرض ہے کہ وہ براہ راست حدیثیں پڑھیں اور ان ہی کے مطابق عمل کریں۔ بیچ میں کسی عالم کو، مجتہد، مرجع اور واسطہ کے عنوان سے تسلیم نہ کریں۔ ملا محمد امین استر آبادی نے جو

اس دبستان کے بانی ہیں "الفوائد المدنیہ" نامی ایک کتاب تحریر فرمائی ہے موصوف نے اس کتاب میں مجتہدین سے بڑی سخت جنگ لڑی ہے اور خاص طور سے عقل کی حجیت کے انکار کے لئے ایڑی چوٹی کا زور صرف فرمایا ہے ان کا دعویٰ ہے کہ عقل صرف محسوسات یا محسوسات سے قریب مسائل جیسے ریاضیات (جس کے صحیح نتائج فوراً محسوس یا معلوم ہو جاتے ہیں) میں حجت ہے۔ اس کے سوا اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ (عقل کی مخالفت میں یہ ایک عقلی دلیل ہے۔)

اس کے بعد آگے چل کر جناب مطہری لکھتے ہیں۔ "بہر صورت اخباریت، عقل کے خلاف ایک تحریک تھی جس کا علامہ وحید بہبہانیؒ اور آپ کے شاگرد شیخ انصاری اعلیٰ اللہ مقامہ، جیسے دلیر و سمجھدار افراد نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اخباری اسکول اس مقابلہ آرائی کے نتیجے میں شکست کھا گیا اور اب اس مسلک کے پیرو گوشہ و کنار میں خال خال ہی نظر آتے ہیں۔

ایک چیز جو عوام کے درمیان اخباری فکر کے پھیلنے کا باعث ہوئی وہ اس کا عوام پسند پہلو ہے۔ کیونکہ اخباری کہتے ہیں کہ ہم تو اپنے پاس سے کچھ نہیں کہتے ہم کلام معصوم کے سامنے سر تسلیم خم کیے ہوئے

ہیں ۔ ہمیں تو بس قال الباقرؑ وقال الصادقؑ سے سروکار ہے ۔ ہم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے ، معصوم کا کلام بیان کرتے ہیں ۔ (اس انداز تبلیغ کے متعلق اصولی و اجتہاد کے قائل علماء کہتے ہیں کہ ۔ ہم لوگ بھی معصومین علیہم السلام کے قول واقعی کو تسلیم و قبول کرتے ہیں ، لیکن صحیح و غلط کے امتیاز اور کلام معصومینؑ کے روح و معنیٰ میں تدبر و تفکر بھی کرتے ہیں ۔)

علامہ وحید بہبہانی کا بیان ہے کہ اخباریوں میں اتنا جمود پایا جاتا ہے کہ اگر بالفرض کوئی مریض کسی امام کے پاس گیا ہو اور امام نے اسے ٹھنڈا پانی پینے کے لئے کہا ہو تو " اخباری " (اس حدیث کی روشنی میں) دنیا کے سارے مریضوں کو ٹھنڈا پانی پینے کا حکم دیں گے اور کہیں گے ، ہر مرض کا علاج ٹھنڈا پانی ہے وہ یہ نہیں سوچیں گے کہ امام نے یہ حکم اس مریض کے مزاج اور بیماری کی نوعیت کے لحاظ سے دیا تھا نہ کہ تمام مریضوں کے لئے ۔ یہ بھی مشہور ہے کہ بعض اخباری (ہر) میت کے کفن پر شہادتین اس طرح لکھنے کا حکم دیتے تھے ۔ " اسمعیل یشھدان لا الہ الا اللہ " یعنی اسمعیل اللہ کی وحدانیت کی گواہی دیتا ہے ۔ وحدانیت کی گواہی اسمعیل کے نام سے کیوں دی جائے ؟

اس لئے کہ حدیث میں ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے اپنے فرزند، حضرت اسمعیل کے کفن پر یہ عبارت تحریر کروائی تھی - اخباریوں نے سوچنے کی زحمت نہیں کی کہ اسمعیل کے کفن میں اس عبارت کی وجہ یہ تھی کہ ان کا نام اسمعیل تھا - اب اگر مثلاً حسن قلی بیگ کا انتقال ہوا ہے تو (ان کے کفن پر) خود ان کا نام کیوں نہ لکھا جائے - اسمعیل کا نام کیوں لکھیں ؟ اخباری کہتے ہیں یہ ساری باتیں "اجتہاد اور عقل کا استعمال" ہے - ہمیں صرف قال الباقرؑ و قال الصادقؑ سے مطلب ہے ہم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے - (اجتہاد و تقلید)

مسئلہ

تحریف قرآن

اخباری طرز فکر کے بانی، ملا محمد امین استرآبادی اور ان کے ہمنوا افراد "تحریف قرآن" کے قائل ہیں اور اس مسئلے کو اپنی مجلسوں اور تحریروں میں بعض اہلسنت راویوں کی ضعیف اور مجہول روایتوں کے ذریعے بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں - "تحریف قرآن" کا مسئلہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ موجودہ قرآن وہ ہے جو حضور اکرمؐ کے بعد جمع کیا گیا ہے اور ان لوگوں نے جمع کیا ہے جو آل رسول کے حقوق کے غاصب

تھے۔ اس لئے ان لوگوں نے قرآن مجید سے ایسی بہت سی آیتیں کم کردیں جو آل رسول کی فضیلتوں اور حقوق کو بیان کرنے والی تھیں۔ اصلی قرآن، جو حضرت علیؑ نے جمع کیا تھا، اس میں وہ تمام آیتیں موجود ہیں جو کم ہوئی ہیں۔

حالانکہ ہمارے وہ تمام قدیم شیعہ علماء جن کی کوششوں اور محنتوں کی وجہ سے آج حقیقی مذہب اسلام، مذہب حقہ، شیعہ امامیہ اثنا عشری کی صورت میں ہم تک پہونچا ہے، ان تمام علماء نے کھلے طور پر بہت واضح الفاظ میں وضاحت کردی ہے کہ موجودہ قرآن، جو ہمارے پاس اور تمام دنیائے اسلام میں رائج ہے، یہی مکمل قرآن ہے اس میں کسی قسم کی کمی یا زیادتی نہیں ہوئی ہے۔ البتہ اس کی ترتیب اپنی اصلی صورت میں باقی نہیں ہے، بلکہ پہلے نازل ہونے والی سورتیں بعد میں درج ہوئیں ہیں اور بعد میں نازل ہونے والی سورتیں پہلے لکھی گئی ہیں۔ اسی طرح بعض سورتوں کی آیتیں دوسری سورتوں میں شامل ہوگئی ہیں۔ اور اس قرآن میں وہ سب کچھ موجود ہے جو حضور اکرمؐ پر بذریعہ وحی نازل ہوا۔ ہمارے ایک معتبر اور موثق عالم، علامہ شیخ صدوق علیہ الرحمہ (متوفی ۳۸۱ھ) (ان پر اخباری ہونے کا

الزام کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے وہ ان کی اس تحریر سے ظاہر ہے) اپنی کتاب "اعتقادات" کے صفحہ ۸۸ پر تحریر فرماتے ہیں۔

"موجودہ قرآن کے متعلق ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ یہ قرآن کُل کا کُل وہ ہے جو رسول کریم صلعم پر نازل کیا گیا ہے۔ یعنی دو دفتیوں کے درمیان موجود ہے اور لوگوں کے ہاتھوں میں ہے۔ یہی سارا قرآن ہے اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔ اور جو شخص ہماری طرف (شیعوں کی طرف) یہ نسبت دے کہ ہم قرآن مجید کو موجودہ قرآن سے کم یا زائد کہتے ہیں "وہ جھوٹا ہے"۔

اسی طرح مذہب شیعہ امامیہ اثنا عشری کے دیگر مشہور و جید علماء نے بھی علامہ شیخ صدوقؒ کی طرح واضح اور کھلے الفاظ میں اس قرآن کو مکمل کہا ہے اور تحریف قرآن یعنی قرآن میں کسی بھی کمی کا انکار کیا ہے۔ ان علماء میں علامہ شیخ مفید متوفی ۴۱۳ھ علامہ شیخ الطائفہ محمد بن حسن بن علی طوسی متوفی ۴۶۰ھ، علامہ قاضی نور اللہ شوستری وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ البتہ ہمارے بعض علمائے شیعہ نے علمائے اہلسنت کی "تحریف قرآن" کے متعلق بعض ضعیف اور مجہول روایتوں کو اس لئے قابل اعتبار سمجھنے کی غلطی کی کہ ہمارے بعض

علمائے حدیث خصوصاً علامہ یعقوب کلینیؒ کے پاس کافی میں بعض
ایسی احادیث ملتی ہیں جن کی وجہ سے مبہم اور غیر واضح طور پر تحریف
قرآن کے اس مسئلے کے صحیح ہونے کا شبہ پیدا ہوتا ہے لیکن خود علامہ
یعقوب کلینیؒ نے اور علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے اپنی وضاحتوں کے
ذریعے اس شبہے کی تردید کی ہے، جس کا ذکر آگے آئے گا۔ اس حقیقت
سے کون انکار کر سکتا ہے کہ قرآن مجید، ہمارے پیغمبر آخر الزماں کا وہ
محکم و مستحکم زندہ جاوید معجزہ ہے جو ناقابل تبدل و تغیر ہے اور قیام
قیامت تک باقی رہنے والا ہے۔ اسی قرآن کے متعلق ابن بابویہ قمی
نے ایک روایت نقل کی ہے، جس میں حضرت علیؑ اپنے فرزند محمد
حنفیہ سے فرماتے ہیں۔

"میں تمہیں قرآن کی تلاوت اور اس کے احکام پر عمل کی تاکید
کرتا ہوں۔ تم پر اس کے فرائض و واجبات شرائع، حلال و حرام اور
امر و نہی کی پابندی ضروری ہے۔ قرآن کے ساتھ شب زندہ داری کرو
رات اور دن میں قرآن پڑھنا، چونکہ یہ قرآن خداوند عالم کا اپنے بندوں
سے عہد و پیمان ہے۔ لہذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ خدا کے اس عہد پر
نظر ڈالے۔ چاہے ہر روز پچاس آیت ہی کیوں نہ پڑھے۔"

یہ صحیح ہے کہ علامہ یعقوب کلینیؒ نے اصول کافی میں بعض احادیث ایسی لکھی ہیں جن سے یہ شبہ وارد ہونے لگتا ہے کہ آیات قرآن مجید میں کمی ہوئی ہے لیکن خود انہوں نے اصول کافی کے مقدمے میں یہ بھی لکھا ہے کہ احادیث کی قرآن سے مطابقت کرنا چاہیے اور جو حدیث مطابق قرآن ہو اسے قبول کرنا چاہیے اور جو مطابق قرآن نہ ہو اسے رد کرنا چاہیے۔ علامہ یعقوب کلینیؒ نے اپنی کتاب کافی کے مقدمے میں مندرجہ ذیل عبارت تحریر کی ہے۔ "ہاں اے بھائی۔ خدا تمہاری ہدایت کرے۔ کسی کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ علماء (ائمہ معصومین علیہم السلام) سے منقول روایات کے (بظاہر) اختلاف کے موقع پر اپنی ذاتی رائے (فیصلہ کن انداز سے) پیش کرے مگر سوائے اس صورت میں کہ اس عالمؑ (امام) نے اپنے بیان کی خود وضاحت کی ہو۔ ان روایات کی کتاب خدا سے مطابقت کرو اور جو روایات کہ مطابق خدا ہوں انھیں قبول کرو اور جو مخالف کتاب خدا ہو اسے چھوڑ دو۔"

یہ عبارت اس بات کی دلیل ہے کہ علامہ کلینی کا اعتقاد اس بات پر تھا کہ کتاب خدا یہی قرآن ہے جو اس وقت ہمارے ہاتھوں میں

ہے ورنہ کس طرح ممکن ہے کہ اختلافی روایات کی کتاب خدا سے مطابقت کرتے ؟ (تحریف قرآن کا شبہ پیدا کرنے والی) ان روایات کی کتاب خدا سے اس لئے مطابقت نہیں ہوتی کہ اللہ نے سورہ حجر کی نویں آیت میں قرآن مجید کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔

انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحفظون

بیشک ہم نے قرآن نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

اس آیت کی رو سے جب اللہ اس قرآن کی حفاظت کرنے والا ہے تو پھر اس میں تحریف کس طرح ہو سکتی ہے؟ اسی طرح آیت اللہ، سید ابوالقاسم الخوئی رضوان اللہ علیہ نے اپنی کتاب " البیان فی تفسیر قرآن " میں تحریف قرآن کے قائلین اور تحریف قرآن کے مسئلے پر شیعوں کو مطعون کرنے والوں کو بہت سے مدلل جوابات دیئے ہیں۔ ان میں سے چند کو ہم مختصراً یہاں بطور خلاصے کے درج کرتے ہیں۔

علامہ الخوئی رضوان اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

قائلین تحریف ایک شبہ یہ پیش کرتے ہیں کہ امیرالمومنین؏ کا جمع کردہ قرآن موجود قرآن سے زیادہ تھا۔ جس کا ثبوت بکثرت

روایات سے ملتا ہے مثلاً ایک روایت میں امیرالمومنینؑ ایک زندیق سے احتجاج کرتے ہوئے فرماتے ہیں" وہ کامل کتاب پیش کی گئی۔ یعنی میں نے کامل قرآن پیش کیا، جس میں تنزیل، تاویل، محکم، متشابہ، ناسخ، منسوخ سب موجود تھا۔ جس میں کوئی حرف الف یا لام تک ساقط نہ تھا، لیکن لوگوں نے اس کتاب کو قبول نہ کیا"۔ ایک روایت کافی میں جابر کی امام محمد باقرؑ سے مروی ہے کہ "کوئی شخص بھی یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ اس کے پاس پورا قرآن، ظاہر و باطن سب ہے۔ سوائے اوصیائے رسولؐ کے"۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ موجودہ قرآن اور امیرالمومنینؑ کے پیش کردہ قرآن میں سورتوں کی ترتیب میں فرق ہے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ امیرالمومنینؑ کے پیش کردہ قرآن میں کچھ چیزیں تھیں جو اس قرآن میں نہیں ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ زیادتی اصل قرآن میں تھی جس کو تحریف کے ذریعے کم کردیا گیا ہے۔ بلکہ زیادتی یا تو تفسیر بعنوان تاویل تھی یا آیت کے مطالب کی تنزیل شرح تھی۔ شبہ کی وجہ یہ ہے کہ متاخرین (بعد والوں) کی اصطلاح میں لفظ تنزیل کا استعمال ان آیات کے لئے ہوتا ہے جو بطور

قرآن نازل ہوئے ہوں اور تاویل سے وہ معنیٰ مراد لئے جاتے ہیں جو ظاہری معنوں کے خلاف ہوں ۔ لیکن یہ بعد کی اصطلاح ہے ۔ لغت میں (تنزیل و تاویل کے) ان معنوں کا کوئی پتہ نہیں ۔ لغت میں تاویل ادل ہے اور ادل کے معنی ہیں رجوع ۔ تو تاویل کے معنی ہوئے پلٹانا ۔ اور کبھی تاویل کے لفظ سے "انجام" یعنی نتیجہ مراد لیا جاتا ہے مذکورہ ذیل آیات میں یہی معنی مراد ہیں ۔

ویعلمک من تاویل الاحادیث (سورہ یوسف آیت ٦)

بنثابتاویله (سورہ یوسف آیت ٣٦)

هذاتاویل رویائی (سورہ یوسف آیت ١٠٠)

ذلک تاویل مالمحه تستع علیه صبراً

(سورہ کہف آیت ٨٢)

اس بنا پر تاویل کے معنی ہوئے آیات کے نتائج ۔ چاہے یہ آیت کے ظاہری معنوں سے سمجھ میں آجائیں یا وہ ایسے خفی اور پوشیدہ ہوں کہ صرف راسخون فی العلم ہی واقف ہوں ۔ تنزیل کی اصل نزول ہے ۔ ان معنوں میں قرآن کو تنزیل کہا جاتا ہے (کیونکہ قرآن مجید اور اس کی آیات اللہ کی نازل کردہ ہیں) تو تمام وہ باتیں جو بطور وحی اللہ کی

طرف سے نازل ہوئی ہوں تنزیل قرار پائیں گی اور تنزیل صرف قرآن کی آیات سے مخصوص نہیں ہوگی - الحاصل، امیرالمومنینؑ کے جمع کردہ قرآن اور موجودہ قرآن میں سورتوں کی ترتیب میں فرق تھا اور تفسیر تنزیل بھی موجود تھی - اسی بناء پر اسے قبول نہیں کیا گیا" -

اسی کتاب " البیان فی تفسیر قرآن " میں علامہ الخوئی رضوان اللہ علیہ لکھتے ہیں -

" ان تمام دلائل کے علاوہ شیعوں کے تحریف قرآن کے قائل نہ ہونے کی ایک مضبوط دلیل یہ ہے کہ ائمہ اہلبیت علیہم السلام کی روایات سے یہ ثابت ہے کہ پنج گانہ نمازوں کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ الحمد کے بعد ایک مکمل سورے کی تلاوت کرنا واجب ہے (اسی طرح نماز آیات میں پانچویں رکوع سے پہلے ایک پورے سورے کو تقسیم کیا جاسکتا ہے) اور اس حکم میں کسی سورے کی استثناء نہیں کی گئی ہے - اگر کسی سورے میں تحریف ہوئی ہوتی تو اس کی استثناء کردی جاتی - ان ہی روایات و احادیث کے مطابق تمام فقہائے شیعہ نے فتویٰ بھی دیا ہے اور کسی فتوے میں یہ نہیں ہے کہ " فلاں سورے پڑھے جائیں جن میں تحریف کا احتمال نہیں ہے اور فلاں سورے نہ

پڑھے جائیں (جن میں تحریف کا احتمال ہے) لہذا معلوم ہوا کہ تمام فقہائے شیعہ نے بعض محدثوں کے اس نظریئے کو قبول نہیں کیا کہ بعض سوروں میں کمی ہوئی ہے۔" (البیان)' اسی طرح علامہ یعقوب کلینی کی اصول کافی جلد دوم مترجم مولانا ظفر حسن صاحب قبلہ مطبوعہ لاہور کے صفحہ ۶۳۲ پر یہ حدیث ملتی ہے کہ "ہشام بن سالم نے حضرت ابو عبداللہ علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جو قرآن جبرئیل امین حضرت رسول خدا پر لائے تھے اس میں سترہ ہزار آیتیں تھیں۔" اس حدیث کو درج کرنے کے بعد مترجم نے وضاحت کی ہے کہ " اس حدیث میں آیات کی تعداد سترہ ہزار بیان کی گئی ہے لیکن موجودہ قرآن میں آیات کی تعداد چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ (۶۶۶۶) ہے اور طبرسی علیہ الرحمہ نے مجمع البیان میں لکھا ہے کہ رسول خدا نے فرمایا کہ قرآن میں آیات کی تعداد چھ ہزار دو سو ترسٹھ (۶۲۶۳) ہے۔ یہ اختلاف غالباً آیات کی حد معین کرنے کی بنا پر پیدا ہوا ہے۔ (یعنی ۶۲۶۳ اور ۶۶۶۶ کا فرق۔

اور سترہ ہزار آیتوں والی حدیث سے وارد ہونے والے شبہہ کو علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے "مراۃ العقول" میں اس طرح دور کیا ہے کہ اس کا امکان ہے کہ سترہ ہزار میں احادیث قدسیہ کو بھی شامل کر لیا گیا ہو۔

اس کے علاوہ تحریف قرآن کے قائل، اخباری حضرات اس بات پر بھی غور کرنے کی زحمت فرمائیں کہ تمام آسمانی کتابیں (توریت انجیل، زبور) بقول قرآن مجید و حضور کریمؐ تحریف کا شکار ہونے کی وجہ سے ہی منسوخ کردی گئیں اور انہیں منسوخ کر کے اللہ نے اپنی یہ آخری اور مکمل کتاب (قرآن) نازل فرمائی جس کے متعلق خود ہی اعلان فرمایا

ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین (اس کتاب میں ہر خشک و تر کا بیان موجود ہے۔ یعنی کوئی چیز چھوٹی ہوئی نہیں ہے)۔ اور حضور کریم صلی اللہ علیہ و صلعم کا یہی وہ معجزہ ہے جسے قیام قیامت تک باقی رہنا ہے اور اسی کتاب میں یہ اعلان بھی موجود ہے جسے ہم ایک بار پھر یہاں درج کرتے ہیں۔

انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحافظون

بیشک ہم نے اسے (قرآن) نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ (سورہ حجر آیت ۹)

قرآن کے متعلق خالق کائنات کے اس صریح اعلان کے بعد پھر اس کتاب میں تحریف کا شبہ پیدا کرنے یا تحریف کا یقین کرنے سے دین اسلام کی حقانیت کا عقیدہ کس طرح باقی رہ سکتا ہے ------؟

حجیت عقل اور اجماع کا انکار

ملا امین استرآبادی اور ان کے ہمنوا اخباری طرز فکر کے حامل ہونے کا دعویٰ کرنے والے افراد احکام و مسائل دینی کو (قرآن و سنت سے) حل کرنے میں عقل کے استعمال کی مخالفت کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن اور حدیث کے پڑھنے سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ اسلام دین عقل ہے اس کا ہر اصول اور ہر فرع عقل و حکمت سے معمور ہے جو بھی حکم ہے وہ عقل کی کسوٹی پر پورا اترتا ہے۔ قرآن مجید نے اپنی ابتداء ہی میں اس بات کا اعلان کر دیا ہے کہ یہ ہدایت کی کتاب ہے اور اس کے بعد پورے قرآن مجید میں جگہ جگہ اس بات کی وضاحت کی ہے کہ ہماری یہ ہدایتیں، ہماری یہ آیتیں ان لوگوں کے لیے ہیں جو صاحبان عقل ہیں۔ سورہ روم کی ۲۸ویں آیت میں ارشاد ہوا۔

نفصل الایت لقوم یعقلون۔

عقل والوں کے لیے ہم اپنی آیات کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔(الروم۔۲۸)

اس کے بعد عقل سے کام لینے والے صاحبان عقل کے لیے

سورہ زمر کی اٹھارویں آیت میں یہ بشارت (خوشخبری) دی جاتی ہے۔

فبشر عبادالذین یستمعون القول فیستبعون احسنه اولئک الذین هدائم الله و اولئک هم اولوالالباب۔ (زمر۔۱۸)۔

بشارت دو میرے ان بندوں کو جو قول کو سنتے ہیں اور اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں اور۔ ان ہی کی اللہ نے ہدایت کی ہے اور یہی صاحبان عقل ہیں۔

ان آیات مبارکہ میں عقل سے کام لینے والوں کا تذکرہ تھا۔ اب اس کے بعد عقل سے کام نہ لینے والوں اور عقل کی مخالفت کرنے والوں کا ذکر بھی جگہ جگہ واضح اور صاف الفاظ میں ملتا ہے اور عقل سے کام نہ لینے والوں کے انجام کی طرف اس طرح متوجہ کیا گیا ہے۔

لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر۔

(وہ لوگ کہیں گے) اگر ہم سنتے اور عقل سے کام لیتے تو ہم اہل جہنم سے نہ ہوتے۔ الملک۔۱۱)

ان آیات مبارکہ کو پیش کرنے کے بعد ہم اتنا ضرور متوجہ کرنا چاہیں گے کہ انسان کی زندگی قرآن و حدیث کی رو سے از ابتداء تا انتہاء آخرت کی تیاری ہے اور اس تیاری کا مقصد آخرت کی کامیابی کو حاصل کرنے کی کوشش ہے۔ ان آیات مقدسہ میں عقل سے کام لینے کا انجام بھی واضح فرما دیا گیا ہے اور عقل کو ترک کرنے اور عقل سے کام نہ لینے والوں کا انجام بھی کھلے الفاظ میں بتا دیا گیا ہے۔ یہ آیات مبارکہ ہی عقل کی حجیت کے حق ہونے کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں۔ لیکن چونکہ بعض افراد قرآن کی حجیت ہی کے قائل نہیں ہیں اس لیے ہم اخبار (احادیث) ہی کو حجت قرار دینے والوں کے لیے بعض احادیث کو بھی درج کردینا ضروری سمجھتے ہیں جن سے عقل کی حجیت ضروری قرار پاتی ہے۔

بحار الانوار کی پہلی جلد پہلا باب فضیلت عقل کے عنوان سے عقل کی تعریف میں شروع ہوتا ہے اور علامہ یعقوب کلینی نے بھی سب سے پہلے عقل کی فضیلت میں وارد ہونے والی حدیثوں کو درج کیا ہے۔

بحار الانوار کی پہلی جلد کی پہلی حدیث اس طرح شروع ہوتی ہے جناب امیرالمومنین علی ابن ابی طالبؑ نے فرمایا کہ انسان کی اصل

اس کا دماغ ہے اور اس کی عقل اس کا دین ہے اور اس کی جواں مردی اس جگہ ہے۔ جہاں وہ اپنے آپ کو لگا دیتا ہے اور زمانہ انقلابات کا نام ہے اور لوگ آدم تک برابر ہیں۔"

بحارالانوار کی اسی پہلی جلد میں اٹھاسیویں حدیث اس طرح ملتی ہے کہ حضور اکرم صلعم نے ارشاد فرمایا "عقلوں کو رہنما بناؤ، تاکہ رشد حاصل ہو عقل کی نافرمانی نہ کرو۔ ورنہ پشیمان ہونا پڑے گا۔"
اسی کتاب کی چوبیسویں حدیث یہ ہے۔ حضور اکرم نے عقل کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا۔

"قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ، لکل شیء آلتہ وآلتہ المومن وعدتہ العقل، ولکل شیء لطیۃ المرء العقل، ولکل شیء غایۃ و غایۃ العبادۃ العقل ولکل قومہ راع و راعی العابدین العقل، ولکل تاجر بضاعۃ وبضاعۃ المجتھدین العقل ولکل خراب عمارۃ و عمارۃ الاخرۃ العقل ولکل سفر فسطاط یلتجون الیہ وفسطاط المسلمین العقل۔

"ہر شئے کے لئے آلہ حفاظت اور مدافعت کا سامان ہوتا ہے۔
مومن کی حفاظت کا آلہ اس کی عقل ہوتی ہے ہر چیز کے لئے ایک
سواری ہوتی ہے، مرد کی سواری عقل ہے۔ ہر چیز کی ایک غایت ہوتی
ہے، عبادت کی غایت عقل ہے، ہر قوم کا ایک نگہبان ہوتا ہے،
عابدوں کی نگہبان ان کی عقل ہے۔ ہر تاجر سرمایہ رکھتا ہے، مجتہدین
کا سرمایہ عقل ہے۔ ہر ویرانے کے لئے آبادی ہے، آخرت کی آبادی
عقل ہے۔ ہر سفر کے لئے ایک فسطاط ہوتا ہے (وہ مقام جہاں مسافر
پناہ لیتے ہیں، قیام کرتے ہیں) مسلمانوں کا فسطاط ان کی عقلیں ہیں"۔
اس حدیث کو ہم نے بحوالہء متن اس لئے لکھا ہے کہ اخباری افراد عام
اور سادہ لوح مومنین کو یہ غلط باور کروانے کی کوشش کرتے ہیں کہ
حضور اکرم صلعم اور ائمہ معصومین علیہم السلام کے زمانے میں
مجتہدین کا ذکر تک نہ تھا یہ سب بعد کی پیداوار ہے۔ لیکن اس حدیث
کے ذریعے رسول خدا صلعم نے نہ صرف مجتہدین کا لفظ استعمال فرمایا
ہے بلکہ صحیح بنیادوں کے ذریعے ۔۔۔۔ اجتہاد کرنے والے مجتہدین کو
بمصداق آئیہ کریمہ "الدنیا مزرعة الاخرة" اس دنیا میں
آخرت کے لئے تجارت کر کے، عقل کے سرمائے کے ذریعے آخرت کا

منافع کمانے والوں میں شمار فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ بھی کافی اور بحارالانوار وغیرہ میں مجتہدین کے متعلق اور بھی احادیث ملتی ہیں جن کو اختصار کے پیش نظر، ترک کرتے ہوئے، ہم عقل کی تعریف اور اہمیت کے متعلق مزید احادیث کو درج کرتے ہیں۔

مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام ارشاد حضرت ختمی مرتبت کو اس طرح بیان فرماتے ہیں "جب کوئی حدیث سنو تو اسے عقل کے معیار پر پرکھ لو۔ صرف نقل الفاظ پر بس نہ کرو کیونکہ علم کے نقل کرنے والے تو بہت ہیں اور اس میں غور و فکر کرنے والے کم ہیں۔" (نہج البلاغہ صفحہ ۸۳۲)

اس کے علاوہ بحارالانوار کی پہلی جلد کی چوتھی حدیث میں عقل کی اہمیت کو اس طرح واضح کیا گیا ہے۔

"محمد ابن سلیمان کے باپ سے روایت ہے کہ انھوں نے جناب امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ فلاں شخص کی عبادت، دین اور فضل کی یہ حالت ہے (یعنی انھوں نے ایک شخص کی دینی خدمات اور کثرت عبادت کی تعریف کی) یہ سن کر امام نے سوال کیا۔" اس کی عقل کیسی ہے۔؟ انھوں نے جواب دیا، اس کا مجھے

علم نہیں۔ امام نے فرمایا "ہر شخص کو ثواب بقدر عقل حاصل ہوتا ہے" حضور اکرم صلعم کے عقل کی تعریف میں ان ارشادات کو اور ائمہ معصومین علیہم السلام کی عقل کے استعمال کی تاکید کے متعلق ان احادیث کو دیکھنے کے بعد، دینی مسائل کو قرآن و سنت سے حاصل کرنے کے لئے عقل کے استعمال کی مخالفت کیا معنی رکھتی ہے، یہ صاحبان عقل و شعور خود سمجھ سکتے ہیں۔

حجیت اجماع مجتہدین امامیہ اثناء عشری نے مشکل احکام شرعی کو قرآن و حدیث سے حاصل کرنے کے لیے. جہاں عقل کی حجیت کو ضروری قرار دیا ہے وہیں اجماع کی حجیت کو بھی لازم قرار دیا ہے۔ لیکن ملا محمد امین استرآبادی اور ان کی ہمنوائی کا دعویٰ کرنے والے اخباری طرز فکر کے حامل افراد عقل و اجماع دونوں کا انکار کرتے ہیں۔ حجیت عقل کے متعلق مختصر سی بحث کے بعد حجیت اجماع کے متعلق یہ دلائل ہیں کہ اجماع کے متعلق حجت الاسلام علامہ ابو القاسم الخوئی رضوان اللہ علیہ اپنی کتاب "مسائل وردود" کے صفحہ ۶ پر سوال و جواب کی صورت میں تحریر فرماتے ہیں۔

"سوال۔ کیا اجماع حجت ہے یا نہیں۔ کیا وہ کتاب و سنت سے

ہے یا نہیں ؟

جواب ۔ کسی غیر معصوم کا قول حجت نہیں ہوتا ۔ مگر یہ کہ اس قول کی سند قول معصوم سے ہو ۔ یا اس جماعت کا قول موافق ہو قول معصوم سے ۔ اس طرح قول معصوم داخل سنت ہے ۔"

اس طرح اجماع علمائے مذہب حقہ نے اجماع کے سند اور حجت ہونے کی تائید میں علامہ یعقوب کلینی علیہ الرحمہ اپنی کتاب "کافی" کے مقدمے میں لکھتے ہیں ۔

" جن روایات میں اجماع ہوا سے قبول کرو ۔ اس لیے کہ جس پر اجماع ہو اس پر شک نہیں کرنا چاہیے ۔"

احکام دینی پر صحیح طریقے سے عمل کی کوشش کے لیے اجماعی طور سے جد و جہد کر کے " اتحاد عمل " کو اختیار کرنے کی ایک محکم دلیل یہ بھی ہو سکتی ہے کہ خالق ارض و سماء نے دنیائے انسانیت کو جو ایک مکمل دستور حیات عطا فرمایا ہے اسی قرآن مجید فرقان حمید میں سورۃ الشوریٰ میں ارشاد فرمایا ہے ۔

والذین استجابو الربھم و اقاموا الصلوۃ و امرھم شوریٰ بینھم و مما رزقنھم ینفقون ۔

(الشوریٰ۔آیت۔۳۸)

اس آیہ مقدسہ میں صاحبان ایمان کے اوصاف کو بیان کیا جارہاہے کہ وہ لوگ اپنے پروردگار کا حکم مانتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور ان کے کل کام آپس کے مشورے سے ہوتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انھیں عطا کیاہے اس میں سے راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں۔" (مترجم مولانا فرمان علی صاحب قبلہ۔ صفحہ۔۷٦٣)

اس آیہ مبارکہ کی رو سے تبادلہ خیال اور رائے و مشورے کے بعد اتحاد عمل (اجماع) کو صاحبان ایمان کے اصولوں میں شامل بیان کیا گیاہے اور اسی اصول کی وضاحت خطیب ممبر سلونی مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام نے اس طرح فرمائی ہے۔

"یہ جان لو کہ خدا کے جن بندوں کو علم الہیٰ سپرد کیا گیاہے وہ اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ اس کے چشموں کو جاری کرتے ہیں۔ (یعنی علم کے چشموں سے لوگوں کو سیر و سیراب کرتے ہیں)۔ آپس میں محبت و دوستی کا رشتہ قائم کرتے ہیں محبت و گرم جوشی سے ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ اور اپنی فکر و علم کے جام سے ایک دوسرے کو سیراب کرتے ہیں۔ اور اپنے نظریات سے ایک دوسرے کو مستفید

کرتے ہیں ۔ نتیجے میں سب کے سب سیراب ہو کر باہر آتے ہیں ۔۔۔۔۔۔" (نہج البلاغہ)

ان ہی آیات و احادیث و اقوال علماء کی روشنی میں علمائے اجتہاد اپنی محنت و جستجو سے حاصل شدہ نتیجے کو دوسرے کثیر علمائے اجتہاد کے حاصل شدہ نتیجے کے مطابق ہونا ضروری سمجھتے ہیں جو [illegible] روایات میں موجود اقوال معصومین علیہم السلام میں سے کسی ایک قول پر متفق ہوئے ہوں ۔ مجتہدین مذہب امامیہ کے نزدیک "اجماع" یہی ہے اور اسی اجماع کو طریقہ اجتہاد و تقلید اور مجتہدین کے مخالف ملا امین استرآبادی اور ان کی ہمنوائی میں اخباری طرز فکر کے حامل ہونے کا دعویٰ کرنے والے حضرات نے اہل سنت کے "اجماع خلافت" کے برابر قرار دے کر ان متذکرہ مسئلوں میں موجود لفظی اشتراک کی وجہ سے سادہ لوح مومنین کے جذبات کو (جو اجماع خلافت کے بارے میں شدید ہیں) مجتہدین مذہب امامیہ کے اجتہاد کے خلاف مشتعل کرنے کی کوشش کی ہے ۔ حالانکہ اوپر بیان کی گئی وضاحت کے مطابق اِس اجماع کو اُس اجماع سے دور کی بھی نسبت نہیں ۔ وہ اصول دین کے عقیدے کا معاملہ ہے اور یہ فروع

دین پر عمل کی محتاط کوشش ہے۔ اجماع علمائے مذہب حق کے حجت اور سند ہونے کے بارے میں قرآن اور اہلبیت کے اس متفقہ فیصلے کے بعد بھی اجماع کی حجیت اور سندیت سے انکار کرنا مخالفت برائے مخالفت کے سواء اور کچھ نہیں۔

اُصولیوں پر معتزلیت کا بے جا الزام

احکامات دینی کو قرآن و سنت سے حاصل کرنے کے لئے عقل کا استعمال کرنے اور اسے حجت قرار دینے والے مجتہدین کی مخالفت کرنے والے اور مجتہدین کی تقلید کی وجہ سے قائلین تقلید و اجتہاد کو اور مجتہدین کو اخباری طرزِ فکر کے حامل حضرات اپنی مجلسوں میں تقریر کے دوران اور اپنی تحریروں میں، معتزلی (مذہب اہلسنت کا ایک فرقہ) ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ معتزلیت کا بانی "واصل ابن عطا" قرآن و سنت سے احکامات دینی کو حاصل کرنے کے لئے عقل کی حجت کا تو قائل تھا لیکن عقیدہ امامت کا منکر تھا۔ اس کے برعکس تمام شیعہ مجتہدین اصولی، عقیدہ امامت کے اقرار کو ہی شیعت کی روح قرار دیتے ہیں اور اس عقیدے کو ہی تمام عقائد کی اصل مانتے

ہیں۔ معتزلین کے بعض افکار و عقائد شیعوں سے اس لئے ملتے جلتے ہیں کہ معتزلیت کا بانی واصل ابن عطا شروع شروع میں علوم اہلبیت کا خوشہ چیں تھا اور اس نے سب سے پہلے امیرالمومنینؑ کے پوتے ابو ہاشم عبداللہ ابن محمد حنفیہ ابن علی ابن ابی طالبؑ سے علم دین کو حاصل کیا تھا اور پھر مسئلہ امامت میں آپ سے اختلاف کر کے حسن بصری کے حلقۂ درس میں شامل ہو گیا اور ان کی شاگردی کی۔ علامہ مقریزی اپنی مشہور کتاب "القطط والآثار" میں لکھتے ہیں۔ "واصل ابن عطا نے سارے علوم ابوہاشم عبداللہ ابن محمد حنفیہ (ابن علی ابن ابی طالبؑ سے) حاصل کیئے لیکن مسئلہ امامت میں آپ سے مخالفت کر گیا۔"

ابو ہاشم عبداللہ ابن محمد حنفیہ کی شاگردی کو چھوڑ کر جب واصل ابن عطا حسن بصری (ولادت ۲۱ھ) کے حلقہ درس میں شامل ہو گیا تو ایک روز جلسہ عام میں کسی نے حسن بصری سے پوچھا کہ "اس عہد میں ایک جماعت ایسی ظاہر ہوئی ہے جو مرتکب گناہ کبیرہ کو کافر قرار دیتی ہے۔ اور دوسری جماعت یہ کہتی ہے کہ مومن کو کوئی معصیت (گناہ) ضرر نہیں کرتی۔" (اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے) یہ سن کر

واصل ابن عطا، حسن بصری سے پہلے بول اٹھے ۔" مرتکب گناہ کبیرہ نہ مومن مطلق ہے اور نہ کافر مطلق ہے بلکہ ایک وسطی درجے میں ہے" اور مسجد کے ستون سے لگ کر کھڑے ہوگئے اور اپنی بات کی تائید میں پوری تقریر کرڈالی ۔ جس پر حسن بصری بولے

اعتزل عنا واصل

یعنی واصل اب ہم سے کنارہ کش ہوگیا ۔ اسی واقعے کی وجہ سے واصل کو معتزل اور پیروان واصل کو معتزلی کہتے ہیں ۔

اس واقعہ کے بعد واصل نے حسن بصری کو بھی چھوڑ دیا اور اس کے بعد خود استادی اختیار کرلی ، اپنا ایک حلقہ قائم کرلیا اور خوارج اور مرجیہ ، دونوں کے عقائد کو ملاکر ، اسلام میں ایک نئے فرقے کی بنیاد رکھی جس کے ماننے والے معتزلی کہلاتے تھے ۔ (الملل والنحل ۔ شہرستانی) ۔

معتزلین کے اصول دین تین ہیں ۔ توحید ، نبوت ، قیامت ، ان کے عقائد یہ ہیں انبیاء کا گناہان صغائر (صغیرہ) سے معصوم ہونا ضروری ہنیں ۔ حضرت رسول خدا نے کسی کو اپنا خلیفہ مقرر ہنیں کیا بلکہ خلیفہ کا مقرر کرنا مخلوق پر واجب ہے ۔ امام کا معصوم ہونا

ضروری نہیں۔ بیعت کا منعقد ہو جانا، امامت کے حاصل ہو جانے کا سبب ہے۔ خدا عادل ہے، ظالم نہیں۔ گناہ کبیرہ کرنے والا نہ مومن ہے نہ کافر بلکہ دونوں کے درمیان میں ایک منزل رکھتا ہے۔ حضرت علیؑ، حضرت رسول خدا کے خلیفہ بلا فصل نہیں ہیں وغیرہ وغیرہ۔

(مذاہب اسلام صفحہ ۳۷۸)

فرقہء معتزلہ کے عقائد کو مولانا نذر حسین گوپالپوری نے اپنی کتاب "بہتر فرقے کیوں ہوئے" کے صفحہ تیس پر "مقالات الاسلامیین (ابوالحسن اشعری) کے حوالے سے اس طرح بیان کیا ہے۔" معتزلہ نے جبریہ، قدریہ اور خوارج و مرجیہ سب کے بین بین اپنے عقائد رکھے اور ہر امر کو عقلی معیار پر پرکھتے تھے"۔

معتزلین کے عقائد و افکار کے متعلق اس تفصیل کو جاننے کے بعد بھی اصولی مجتہدین مذہب شیعہ پر، ور مجتہدین کی تقلید کرنے والے شیعوں پر معتزلی ہونے کی تہمت لگانا کہاں تک جائز ہو سکتا ہے۔ یہ انصاف پسند قارئین خود سمجھ سکتے ہیں۔

اخباری عقائد و افکار کے متعلق اور ان کی حقیقت سے متعلق اتنی تفصیل سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ اخباریت کی ابتداء اور اس کے

عقائد و افکار کے نقصانات سے وہ لوگ واقف ہو جائیں جو نہیں جانتے
کہ یہ اخباریت کیا چیز ہے اور اخباری کسے کہتے ہیں ۔ کیونکہ بعض
اوقات، کچھ لوگ یہ بھی کہتے نظر آتے ہیں کہ اخباریت بہت بلند چیز ہے
اور اخباری کا مطلب بہت زیادہ عالم اور احتیاط پسند متقی اور پرہیزگار کا
ہوتا ہے ۔ حالانکہ سب باتیں ہی باتیں ہیں ۔ اس لیے قرآن اور حدیث
اور تاریخی واقعات کی رو سے ملا محمد امین کی اصل اخباریت کو ہم نے مستند حوالوں
کے ذریعے آپ کے سامنے پیش کر دیا ۔ یہ تو ہوئی اصل اخباریت ۔
لیکن شہر حیدر آباد دکن میں آج کل جس اخباریت کی تشہیر ہو رہی ہے وہ
اس اخباریت سے بھی الگ ایک نئی چیز ہے جس کے بنیادی عقائد تو
ملا محمد امین استر آبادی، بانی اخباریت سے حاصل کئے گئے ہیں لیکن اور
بہت سے دوسرے عقائد و افکار جو حیدر آباد دکن کی مجلسوں میں،
دوران مجالس اخباری طرز فکر کے حامل ہونے کا دعویٰ کرنے والے
اصحاب پیش کرتے رہتے ہیں ان کا ذکر اصل اخباریت کے ذیل میں
کہیں نہیں ملتا ۔ بلکہ یہ عقائد و افکار، کچھ کچھ ایران کے شیخی و صوفی
فرقوں کے بعض عقائد سے ملتے جلتے نظر آتے ہیں اور کچھ نصیریوں کے
عقیدے کی بھی مبہم و غیر واضح آمیزش ہو گئی ہے، جس کی وجہ سے "یہ

اخباریت بہلات ہی غیر واضح طور پر ایک ایسے مسلک کی صورت میں نمایاں ہو رہی ہے جو اپنی نوعیت کا ایک نیا مسلک کہلایا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ملا محمد امین استرآبادی نے، صرف اہلبیت علیہم السلام کی محبت ہی کو ـــ نجات کے لئے کافی قرار دے کر، اس کے مقابل جسمانی عبادات خصوصاً نماز کے غیر اہم اور سبک ہونے کے عقیدے کو، اور مولائے کائینات حضرت علی علیہ السلام کی محبت و معرفت کی وجہ سے گناہوں کے نیکیوں میں تبدیل ہو جانے کے عقیدے کو ـــ کبھی ایسے انداز میں ہنیں پیش کیا جس سے عوام الناس کے صراط المستقیم سے بھٹک جانے کا اندیشہ پیدا ہو جائے۔ اسی طرح ملا محمد امین نے کبھی بھی مساوات کے صحیح عقیدے کے ذکر کے ساتھ ساتھ، مولائے کائینات حضرت علی علیہ السلام کے مرتبے کو حضور سرور کائینات صلعم کے مرتبے سے بڑھا دینے کے عقیدے کو اور محبت اہلبیت کے جذبے کے تحت ادا کی جانے والی عبادتوں، یعنی مجالس عزائے حسینؑ اور ماتم حسینؑ وغیرہ کو شریعت کی بعض پابندیوں کو نظر انداز کر کے ادا کرنے کے عقیدے کو اور ایسے ہی غالی (غلاۃ) شیعیوں کے بعض عقائد کو اخباری عقائد میں کبھی شامل ہنیں کیا ہے۔!!

اذان میں اشھد ان علیاً ولی اللہ کی گواہی

حیدرآبادی شہر حیدر آباد دکن میں آج کل ایک گوشے سے حیدرآبادی
شیعوں کے جذبہ حب اہلبیتؑ و جذبہ ولائے علیؑ کا استحصال کرتے
ہوئے مجتہدین و مراجع کے عملیوں میں موجود اذاں کے مسئلے کی
طرف نشان دہی بھی کی جارہی ہے اور اس کی غلط انداز سے تشریح کرکے
ولائے علیؑ و ولائے آل رسول کے جذبے سے سرشار سادہ لوح مومنین
کے جذبات کو مشتعل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے ۔ اور وہ مسئلہ
اذاں میں امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی ولایت کی
گواہی کا مسئلہ ہے اور اس مسئلے کو آج سے کچھ برس پہلے بھی مجتہدین کی
تقلید کے خلاف آواز، ٹھاکران کے مقابل اپنے آپ کو عالم اور حقیقی
محب علیؑ ثابت کرتے ہوئے، اپنے لئے دین کے ذریعے دنیا حاصل
کرنے کی کوشش کرنے والے بعض قسمت آزماؤں نے بھی اپنے
مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ بنانے کی اور عام سادہ لوح مومنین کو اپنے گرد
جمع کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اس کوشش میں وہ ناکام ہی ہوئے ۔
بہرحال مسئلہ یہ ہے کہ مجتہدین اپنے عملیوں میں. جہاں اذاں کا ذکر

کرتے ہیں وہاں "اشھدان علیاً ولی اللہ" کو جزوِ اذاں نہیں لکھتے۔ اس طرح یہ اخباری طرزِ فکر رکھنے والے افراد، عام سادہ لوح مومنین کو یہ سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ مجتہدین نے اذاں میں، رسالت کی گواہی تو رکھی ہے لیکن ولایت کی گواہی کو خارج کردیا ہے۔ حالانکہ تمام مجتہدین اپنے عملیوں (توضیح المسائل وغیرہ میں) اذاں کا ذکر کرتے ہوئے یہی لکھتے ہیں کہ "اشھدان علیاً ولی اللہ" جزوِ اذاں نہیں ہے لیکن قربت کی نیت سے کہا جائے تو اچھا ہے"۔ یہاں اذاں میں ولایت کی گواہی سے منع نہیں کیا جارہا ہے بلکہ یہ کہا جارہا ہے کہ یہ گواہی جزوِ اذاں نہیں ہے لیکن قربت کی نیت سے کہا جائے تو اچھا ہے۔ اس طرح "قربت کی نیت سے کہا جائے تو اچھا ہے" کہہ کر ایک طرف تو کہنے کے لئے ترغیب بھی دی گئی ہے اور دوسری طرف "جزوِ اذاں نہیں ہے" کہہ کر اختیار کرنے یا نہ کرنے کی آزادی بھی دی گئی ہے۔ وہ اس لئے کہ اگر ایک حدیث کی رو سے امام جعفر صادق علیہ السلام کے حکم اذاں کے مطابق تفصیل اذاں میں ولایت کی گواہی کا ذکر ہی نہیں ہے۔ (شرح الفقیہہ۔ جلد ۲۔ صفحہ ۱۸۰۔ محمد تقی مجلسی اول۔) تو دوسری حدیث میں حضور اکرم صلعم کے حکمِ عمومی کے مطابق، کہ آپ نے

فرمایا" مومن جب بھی لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کہے اسے علیاً امیرالمومنین بھی کہنا چاہیے ----- یعنی اللہ کی وحدانیت اور رسول کی رسالت کے ذکر کے ساتھ حضرت علی کی ولایت کی گواہی بھی دینی چاہیے ۔(سفینۃ البحار ۔ جلد۱ ۔ صفحہ ۱۶ ۔)

ان ہی احکام و نصوص کی روشنی میں ولایت مولائے کائنات کی گواہی کو اختیار کرنے یا نہ کرنے کی آزادی دی گئی ہے چونکہ علم معصومین عطیہ الہیٰ ہے اور مستقبل پر بھی محیط ہے اس لیے شیعان علی کی مصیبتوں سے (جو دور بنی امیہ میں اور اس کے بعد ہر دور میں انہیں لاحق ہونے والی تھیں) ۔ حضور اکرمؐ اور ائمہ معصومین علیہم السلام واقف تھے، اس لیے اذاں کے ذکر میں خصوصی طور پر ولایت کی گواہی کا ذکر نہیں فرمایا لیکن عمومی طور پر حکم دے کر یہ واضح فرمادیا کہ اگر موقع ملے تو اسے کبھی ترک نہ کرنا کیونکہ دین کی بنیاد جن چیزوں پر رکھی گئی ہے ان میں اصل بھی ولایت ہے ۔ چنانچہ اصول کافی جلد دوم کے بارھویں باب میں ولایت مولائے کائنات کی گواہی کی اہمیت کے متعلق یہ حدیث موجود ہے ۔

" فرمایا امام محمد باقر علیہ السلام نے کہ اسلام کی بنیاد پانچ

چیزوں پر ہے نماز، زکوۃ، روزہ، حج اور ولایت - زرارہ نے پوچھا، ان میں افضل کون ہے؟ فرمایا" ولایت" - اس لیے کہ وہ ان سب کی کنجی ہے۔ اور والی ان سب چیزوں کی طرف ہدایت کرنے والا ہے ----

(الشافی - ترجمہ اصول کافی - صفحہ ۳۰ -)

اس حقیقت سے سب ہی واقف ہیں کہ شیعہ حضرات صرف ان ہی مقامات پر نہیں رہتے ہیں جہاں انہیں اپنے اعمال مذہبی و اذانوں کی ادائیگی کی پوری پوری آزادی ہے بلکہ آج بھی دنیا کے بہت سے ایسے مقامات ہیں جہاں کی اکثریت اور حکومت کو اگر یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص شیعہ ہے تو وہ اس کے جان و مال اور عزت و ناموس کے دشمن ہو جاتے ہیں - اسی لئے آج بھی بہت سے مقامات پر شیعہ حضرات، اپنی مسجدوں میں چاہتے ہوئے بھی اذاں میں ولایت علیؑ کی گواہی دینے سے مجبور ہیں - بلکہ اپنی مسجدوں میں بھی دشمنان شیعت کے خوف سے چھپ چھپ کر شیعہ طریقے سے نماز جماعت ادا کرتے ہیں - (راقم الحروف نے خود ۱۹۸۶ء میں سعودی عرب کے شہر مدینہ منورہ میں وہاں کی اکثریت اور حکومت کے خوف سے وہاں کے مقامی عرب شیعوں کے ساتھ چھپ کر نماز جماعت ادا کی ہے) - اب

اگر ایسے ہی خوف کے مقامات پر رہنے والے شیعوں سے کہا جائے کہ اذاں میں ولایت کی گواہی بھی جزوِ اذاں ہے، تو وہ ایسے خوف کے مقامات پر اپنی اذانوں کو نامکمل وناقابل ثواب سمجھ کر اذاں دینا ہی چھوڑدیں گے۔ غالباً اسی لئے "جزوِ اذاں نہیں ہے" کہہ کر اختیار کرنے یا نہ کرنے کی آزادی دی گئی ہے لیکن چونکہ "روح اذاں" یہی گواہی ہے اس لئے "قربت کی نیت سے کہا جائے تو اچھا ہے" کہہ کر ترغیب بھی دی گئی ہے کہ موقع ملے تو اسے ہرگز نہ چھوڑنا۔ چنانچہ میں نے اپنے والد محترم، لسان الملت، مولانا مرزا مہدی حسین ذاکر قبلہ، اعلی اللہ مقامہ کی زبانی خود سنا ہے کہ آج سے ساٹھ ستر برس پہلے اسی شہر حیدرآباد دکن میں غیر شیعہ شاہی حکومت کے دور میں شیعہ وزراء و امراء کے ہوتے ہوئے بھی شیعہ حضرات نہ تو اپنی مسجدوں میں "اشھدان علیاً ولی اللہ" کہہ کر اذاں میں ولایت مولائے کائنات کی گواہی دے سکتے تھے اور نہ ہی آج کی طرح آزادانہ طور پر بے خوفی کے ساتھ مجالس عزائے حسین کا انعقاد کر سکتے تھے۔ اگر مجالس کرنے کی کوشش کرتے یا اذاں میں "اشھدان علیاً ولی اللہ" کہنے کی کوشش کرتے تو اکثریتی فرقے کے متعصب مقامی افراد نہ صرف مزاحمت کرنے کی کوشش

کرتے بلکہ تصادم کی نوبت بھی آجاتی تھی - اللہ کا شکر ہے کہ آج ہم کو غیر مذہبی سیکولر ہندوستان میں اور خصوصاً شہر حیدرآباد دکن میں مجالس عزائے حسین کے آزادانہ انعقاد اور اپنی مسجدں میں، اپنی اذاں، اپنے طریقے سے دینے کی مکمل آزادی ہے - یہی وجہ ہے کہ آج حیدرآباد دکن کی کسی بھی شیعہ مسجد میں چلے جایئے، چاہے وہ مسجد جعفری ہو یا عبادت خانہ حسینی، مسجد رضا ہو یا مسجد امامیہ، مسجد علیؑ ہو یا مسجد اثنا عشری اور ان کے علاوہ بھی شیعوں کی جتنی بھی مسجدیں ہیں ان تمام مسجدوں میں اعلم دوراں مجتہد کی تقلید کرنے والے اور توضیح المسائل پر عمل کرنے والے تقلیدی شیعوں کے پاس کسی اذاں میں بھی رسالت کی گواہی کے بعد ولایت کی گواہی "اشھد ان علیاً ولی اللہ" کو چھوڑا نہیں جاتا، بلکہ جزو اذاں مان کر ہی ہر اذاں میں ولایت مولائے کائناتؑ کی گواہی دی جاتی ہے۔

اس مختصر سی وضاحت کے بعد ہمارا اخباری طرز فکر رکھنے کا دعویٰ کرنے والے، دوستوں اور بزرگوں سے ادباً یہ سوال ہے کہ "اگر آپ اذاں میں ولایت کی گواہی کے زبان سے اقرار کے "واجب" ہونے کے قائل ہیں تو پھر آپ حضرات "تشہد" میں رسالت کی گواہی کے بعد

ولایت کی گواہی دیتے ہوئے " اشھدان علیاً ولی اللہ " کیوں نہیں کہتے ۔ اگر آپ کے قول کے مطابق ہر موقع پر رسالت کی گواہی کے بعد ولایت کی گواہی کا زبان سے اقرار واجب ہے تو " واجب " کو نمازوں میں کیوں ترک کرتے ہیں ؟ اس وضاحت کے بعد ملاحظہ کیجئے ، توضیح المسائل علامہ الخوئی مدظلہ صفحہ ۱۶۷ جہاں اذاں کے متعلق اوپر بیان کئے گئے الفاظ کو تو نقل کیا گیا ہے لیکن اسی صفحہ پر اذاں اور اقامت کا ترجمہ کے عنوان سے یہ عبادت لکھی گئی ہے ۔

اللہ اکبر : یعنی خدائے تعالیٰ اس سے بھی بزرگ تر ہے کہ اس کی تعریف کی جاسکے ۔ اشھدان لا الہ الا اللہ یعنی میں شہادت دیتا ہوں کہ یکتا اور بے مثل اللہ کے علاوہ کوئی اور خدا پرستش کے قابل نہیں ۔

اشھدان محمداً رسول اللہ ۔

یعنی میں شہادت دیتا ہوں کہ حضرت محمد (بن عبداللہ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے پیغمبر اور اسی کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں

اشھدان علیاً امیر المومنین ولی اللہ ۔

یعنی میں شہادت دیتا ہوں کہ حضرت علی علیہ الصلاۃ والسلام مومنوں کے امیر اور تمام مخلوق پر اللہ کے ولی ہیں۔

حیی علی الصلاۃ ۔ یعنی نماز کی طرف جلدی کرو۔

حیی علی الفلاح ۔ یعنی رستگاری کے لئے جلدی کرو۔

حیی علی خیر العمل ۔ یعنی بہترین کام کے لئے جلدی کرو۔

قدقامت الصلاۃ ۔ یعنی بالتحقیق نماز قائم ہو گئی ہے۔

لا الہ الا اللہ ۔ یعنی یکتا اور بے مثل اللہ کے علاوہ کوئی اور خدا پرستش کے قابل نہیں۔

(توضیح المسائل آقائے خوئی صفحہ ۱۶۷، ۱۶۸)

اس کے علاوہ اس حقیقت سے کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ ہر اصولی شیعہ اور تمام اصولی شیعہ مجتہدین کا یہ اعتقاد اور ایمان ہے کہ مولائے کائنات کی ولایت کی گواہی کے عقیدے پر ہی سارے اعمال کی قبولیت کا دار و مدار ہے اور اصولی شیعہ جتنے بھی اعمال و عبادات کو ادا کرتے ہیں تو ان کے قلب و روح ہر وقت اس عقیدہ، مودت و محبت سے سرشار رہتے ہیں کہ علیؑ کی ولایت و علیؑ کی محبت ہی

اصل دین ہے - اب چاہے ان تمام اعمال مذہبی کے دوران اس عقیدے کا زبان سے بار بار اظہار ہو یا یہ عقیدہ نیت کی طرح دل میں پوشیدہ ہی ہو - دین اسلام میں تو تمام اعمال کی بنیاد ہی نیت پر ہے - چاہے وہ نیت زبان سے ادا ہو یا نہ ہو جیسے ہمارے پاس متفقہ فیصلہ ہے کہ نماز کی ادائیگی کے لئے سب سے پہلے نیت نماز ہے - اگر نیت نماز میں دل میں قربتاً الی اللہ نہ ہو اور پورے ارکان نماز معہ اپنی تمام مشروط تفصیلات و جزئیات کے ادا کئے جائیں تب بھی نماز، نماز نہیں ہوتی - لیکن اگر نماز شروع ہونے سے پہلے نیت نماز قربۃً الی اللہ دل میں موجود ہو تو پھر بقول حضور اکرم صلعم یہی نماز مومن کے لئے معراج بن جاتی ہے اور عاجز بندہ اپنے اللہ کے حضور میں پہونچ جاتا ہے اور یہ بھی متفقہ فیصلہ ہے کہ نیت نماز کو زبان سے دہرانا ضروری نہیں بلکہ دل میں نیت نماز کا رکھنا کافی ہے - چنانچہ نیت کی اہمیت کے متعلق اصول کافی کی دوسری جلد میں باب الاخلاص کی چوتھی حدیث یہ ملتی ہے -

" فرمایا امام جعفر صادق علیہ السلام نے کہ خدا فرماتا ہے **لیبلوکم ایکم احسن عملا** تاکہ اللہ تم کو آزمائے کہ ازروئے

عمل تم میں کون اچھا ہے۔

فرمایا: یہاں مراد کثرت عمل نہیں بلکہ درستی عمل ہے اور درستی عمل خدا کا خوف اور صدق نیت ہے اور نیکی ہے۔ پھر فرمایا عمل پر خلوص سے باقی رہنا سخت تر ہے عمل سے۔ آگاہ ہو کہ نیت ہی سے عمل ہے۔ پھر یہ آیت پڑھی۔ **کل بعمل علی شاکلہ** ہر شخص اپنی شاکلہ یعنی نیت پر عمل کرتا ہے۔"

حقیقی شیعہ کون ہیں؟

اخباری طرز فکر کے حامل ہونے کا دعویٰ کرنے والے افراد اپنی مجلسوں کو مخاطب کرتے ہوئے، دوران مجالس بھی اور اپنی تحریروں کے ذریعے بھی، یہ بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ حضور کریم صلعم نے ارشاد فرمایا ہے۔" میرے بعد میری امت تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹ جائے گی اور ان میں صرف ایک فرقہ ناجی (جنتی) ہوگا"۔ اور وہ فرقہ شیعہ امامیہ اثنا عشری، جعفری، اخباری "فرقہ ہے۔ اس لئے کہ اخباری فرقہ ہی محبت علیؑ کو اپنا "مرکز عمل" بنایا ہوا ہے،۔ بجائے عبادات ظاہری کے (اور اسی محبت علی کی تاکید کی گئی ہے اس کے برعکس اصولی علماو مجتہدین اور ان کی تقلید کرنے

والے، عبادات ظاہری کو ہی (یعنی نماز، روزے وغیرہ کو) اپنا مرکز عمل بنائے ہوئے ہیں۔

اصولی علماء و مجتہدین پر یہ الزام بے بنیاد ہے۔ کیونکہ تمام اصولی علماء و مجتہدین جہاں نماز اور دیگر عبادات کی تاکید میں (ارشادات محمدؐ و آل محمدؐ کی روشنی میں) شدت کرتے ہیں، وہیں اس بات کا اظہار بھی ضرور کرتے ہیں کہ نماز اور تمام عبادات، بغیر محبت علیؑ و محبت آل رسول کے بارگاہ رب العزت میں قبول ہی نہیں ہوتے اور علیؑ کی محبت کے بغیر یہ سارے اعمال و عبادات بیکار ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ اصولی علماء و مجتہدین نماز کا ذکر نماز کے ذکر کے مقام پر اور محبت علی و محبت آل رسول کا ذکر فضائل علی و فضائل آل محمدؐ کے مقام پر کرتے۔ہیں بے موقع، نماز کے مقابل محبت علیؑ و آل رسول کا موازنہ مختلف عبادات یعنی نماز وغیرہ سے کر کے محبت علیؑ و آل رسول کے جذبے سے سرشار، سادہ لوح، علیؑ کے چاہنے والوں کو خوش کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔

اور پھر ہم تو یہ کہتے ہیں کہ ہر محبت کرنے والے کی محبت کا لازمہ ہی یہ ہونا چاہیے کہ وہ جس سے محبت کرتا ہے اس کی خوشی کا خیال رکھے۔ اور وہی اعمال انجام دے، جن کی انجام دہی سے محبوب خوش ہو اور ان اعمال کی

انجام دہی سے اجتناب کرے جن سے اس کے محبوب کو رنج ہو۔ جس مولا علیؑ کی محبت ہم تمام شیعوں کے لئے مرکز و محورِ اعمال ہے۔ آپؑ کی خوشی اسی میں ہے کہ آپؑ کے چاہنے والے تمام شیعہ اپنی نمازوں کی حفاظت کریں اور ان کو پورے خضوع و خشوع کے ساتھ وقت پر ادا کرنے کی کوشش کریں۔ اور امیرالمومنینؑ کے لئے رنج اور تکلیف کا باعث ہے یہ امر کہ ان کی محبت کا دعویٰ کرنے والے، ان کے شیعہ ہونے کا دعویٰ کرنے والے، عبادات کو سبک کر کے صرف زبان سے آپ کے شیعہ اور مومن ہونے کا دعویٰ کریں۔ یہ ہم اپنی طرف سے نہیں بلکہ ارشاد مولائے کائنات (حدیث) کی روشنی میں کہہ رہے ہیں۔ بحار الانوار کی سترھویں جلد میں علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔

" ایک شب امیرالمومنینؑ مسجد سے صحرائے نجف کی طرف چلے۔ اثنائے راہ میں دیکھا کہ کچھ لوگ آپ کے پیچھے پیچھے آرہے ہیں۔ حضرتؑ نے پوچھا۔ تم لوگ کون ہو۔؟ انہوں نے عرض کیا۔ مولا ہم آپ کے شیعہ، آپ کے غلام ہیں۔ آپ نے فرمایا (حضرت باطن کے حال سے بھی باخبر تھے)۔ تم میں کچھ بھی شیعوں کی علامتیں اور مومنین کے آثار نظر نہیں آرہے ہیں۔ ان لوگوں نے پوچھا۔ مولا، شیعہ ہونے کی علامتیں کیا ہیں اور مومن کے آثار کیا

ہوتے ہیں ۔ آپ نے فرمایا ۔ شب بیداری کی وجہ سے ان کے رخسار زرد ہو جاتے ہیں اور نماز کی کثرت سے ادائیگی کی وجہ سے ان کی کمر خم نظر آتی ہے ۔

محبت علیؑ کا دعویٰ کرنے والے اور خود کو علی کا شیعہ کہنے والے تو اسلام میں بہت سے فرقے ہیں لیکن اصل شیعہ تو وہی ہیں جن کو مولا خود اپنا شیعہ کہیں اور ائمہ معصومین علیہم السلام کی بیان کردہ علامتیں اور آثار ان میں پائے جائیں ۔ اصل شیعوں کی علامتوں اور آثار کو بیان کرتے ہوئے اصول کافی کی دوسری جلد میں علامہ یعقوب کلینیؒ نے اور بحار الانوار کی سترھویں جلد میں علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے اس حدیث کو لکھا ہے کہ

"امام محمد باقر علیہ السلام نے جابر سے فرمایا ۔ اے جابر صرف یہ کہنا کہ ہم اہلبیتؑ سے محبت رکھتے ہیں، کیا دعویٰ شیعت کے لئے کافی ہے ۔ ؟

خدا کی قسم ہمارا شیعہ نہیں ہو سکتا، مگر جب کہ اللہ سے ڈرے ، اس کی اطاعت کرے ۔ اور اے جابر ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بغیر تواضع ، خضوع و خشوع ادائے امانت ، کثرت ذکر خدا ، روزے ، نماز اور والدین سے نیکی و حسن سلوک اور ہمسایوں ، فقیروں ، مسکینوں ، مقروضوں اور یتیموں سے حسن سلوک نہ کرے اور ہمارا شیعہ کہلائے اور اگر قول میں صداقت ہو ، قرآن کی تلاوت ہو اور لوگوں کے بارے میں نیکی کے سوا کچھ نہ کہتا ہو اور

اپنے قبائل کی اشیاء میں امین ہو تو وہی ہمارا شیعہ کہلا سکتا ہے۔

جابر نے کہا، یا ابن رسول اللہ، اس زمانے میں ایسا آدمی کوئی نظر نہیں آتا۔ فرمایا۔ اے جابر۔ مذاہب باطلہ تم کو مذہب حق سے ہٹانہ دیں۔ کیا یہ کافی ہے ایک شخص کے لئے یہ کہنا (شیعوں کے لئے کہا گیا ہے) کہ میں علیؑ کو درست رکھتا ہوں، اور اس کے سوا وہ کرنے والا کچھ نہ ہو۔ ایسے ہی اگر وہ کہے کہ (دوسروں کے لیے کہا گیا) میں اللہ کو درست رکھتا ہوں اور رسول علیؑ سے بہتر ہیں۔ اس کے بعد وہ رسول کی سیرت کی پیروی نہ کرے اور ان کی سنت پر اس کا عمل نہ ہو تو حضرتؐ کی محبت اسے کچھ فائدہ نہ دے گی۔ اللہ سے ڈرو اور صحیح عمل کرو، جو پیش خدا قبول ہو۔ کسی شخص اور خدا کے درمیان قرابت نہیں ہے۔ خدا کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب و مکرم وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے اور اس کی اطاعت "عملاً" زیادہ کرنے والا ہے۔ اے جابر کوئی خدا کا مقرب نہیں بن سکتا گر اطاعت سے اس کے بغیر ہمارے ساتھ ہونا برأت نہیں۔ اور نہ خدا پر کوئی حجت ہے۔ جو اللہ کا مطیع ہے وہ ہمارا دوست (شیعہ) ہے۔ جو اللہ کا گناہ گار ہے وہ ہمارا دشمن ہے۔ ہماری ولایت کو کوئی نہیں پا سکتا مگر عمل اور پرہیزگاری سے۔" (اصول کافی جلد دوم۔ صفحہ ۹۴۔)

اور اسی اصول کافی کی دوسری جلد کے سینتیسویں باب میں ورع کے عنوان کے تحت علامہ یعقوب کلینیؒ نے نویں حدیث یہ لکھی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے شیعوں کو اس طرح نصیحت فرمائی۔

"فرمایا، امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے اوپر لازم کر لو، تقویٰ، پرہیزگاری کو اور امر دین میں کوشش کو اور لازم کر لو اپنے اوپر سچ بات کہنا، امانت ادا کرنا، حسن خلق، پڑوسی سے نیکی اور نہ صرف زبان سے بلکہ اپنے عمل سے لوگوں کو اپنے دین کی طرف بلانا۔ اپنے اعمال سے اپنے ائمہؑ کے لئے زینت بنو اور بد اعمالیوں سے اپنے ائمہ کے لئے ننگ نہ بنو۔ اور اپنے رکوع و سجود کو طول دو کہ جب تم طول دیتے ہو سجدوں کو تو شیطان تمہارے پیچھے سے کہتا ہے۔ ہائے اس نے اطاعت کی اور میں نے نافرمانی کی۔ اس نے سجدہ کیا اور میں نے سجدے سے انکار کیا۔" (اصول کافی۔ جلد ۲۔ صفحہ ۹۷۔۹۸)

ان احادیث مبارکہ کی روشنی میں یقیناً وہی لوگ سچے شیعہ اور اہلبیت علیہم السلام کے چاہنے والے ہیں جن میں یہ تمام علامتیں اور آثار پائے جائیں اور یہی لوگ ناجی کہلانے کے مستحق ہیں۔ یہی اصل شیعت ہے اور ایسی ہی خصوصیات رکھنے والے شیعوں کو ناجی قرار دیتے ہوئے حضور کریم صلعم نے ارشاد فرمایا۔

علی و شیعۃ ھم الفایزون یوم القیامہ

علی اور ان کے شیعہ ہی بروز قیامت کامیاب و رستگار ہیں۔

شیعان علی کے متعلق ایسی ہی بہت سی خوش خبریوں (بشارتوں) کو دیکھنے کے بعد شیعوں کے کٹر دشمن، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے شیعوں ہی کے خلاف لکھی جانے والی اپنی کتاب "تحفہ اثنا عشریہ" میں لکھ دیا۔ "شیعہ علی ہم ہیں نہ کہ یہ رافضی۔" لیکن شیعہ ہونے کا دعویٰ کرنے سے کوئی بھی شیعہ نہیں ہو سکتا۔ شیعت نام ہے محبت علیؑ و محبت اہلبیت کے ساتھ ساتھ کتاب (قرآن) و نبوت (رسالت محمدی) اور پیغمبر اکرمؐ کی لائی ہوئی تمام باتوں پر ایمان لانے کا اور امیر المومنینؑ کو خلیفہ بلا فصل ماننے کا اور امامت کے سلسلے میں حضرت علیؑ سے حضرت حجۃ العصرؑ تک بارہ اماموں کا اعتقاد اسی طرح رکھنے کا کہ ان کے نام بھی صراحت کے ساتھ وہی معلوم ہوں جو حضور اکرمؐ نے بیان فرمائے ہیں اور تمام عقائد و اعمال میں ان ہی ائمہ معصومین علیہم السلام کی پیروی و اتباع کرنے کا۔ یہ ہے اصل شیعت۔ ورنہ اوپر بیان کی گئیں تمام شرائط و بنیادی عقائد کو پوری پوری طرح سے ماننے کا صرف زبانی دعویٰ کرنے والے بابی فرقے کی

مثال ہمارے سامنے ہے کہ اس فرقے کے لوگوں نے صرف آج سے ڈیڑھ سو برس پہلے خود اصل شیعہ ہونے کا (جھوٹا) دعویٰ کرتے ہوئے ملک ایران میں خون ریزی اور قتل و غارت گری کا وہ بازار گرم کیا تھا کہ الامان - بقول صاحب ناسخ التواریخ علی محمد باب نے ایران میں ۱۲۶۰ھ میں، بارھویں امام حضرت مہدی آخر الزماں کے "باب" (دروازہ) ہونے کا دعویٰ کیا تھا اور امام سے منسوب کرکے خود اپنی طرف سے شیعوں کے لئے نئے نئے عقائد و افکار کا ایک انبار جمع کر دیا تھا - یہ لوگ مجتہدین مذہب شیعہ کے خلاف خود کو اصل شیعہ کہتے تھے

صاحب روضات الجنات نے شیعہ علماء کے تذکرے میں سید محمد تقی رشتی الملقب بہ "حجت الاسلام" کی وفات کے ذکر میں لکھا ہے "عجیب اتفاق ہے کہ مرزا علی محمد باب کا ظہور اور اس کا نتیجہ یعنی" وہ فتنہ الحاد جس نے قدیم شیعہ مذہب کی بنیادیں ہلا دی تھیں، ان کی (سید محمد رشتی) کی وفات کے ٹھیک دو ماہ بعد رونما ہوا -------- (صفحہ ۵۶۰)

اور شیخ احمد بن زین العابدین الاحسائی کے حالات میں لکھتے

ہیں ------" شیخی مذہب یا فرقے کی ابتداء شیخ احمد ابن زین العابدین الاحسائی سے ہوتی ہے اور ان ہی کے نام پر یہ فرقہ شیخی کہلاتا ہے - ان کا انتقال ۱۲۴۳ھ میں بہ عمر ۹۰ سال ہوا - ان کے بعد سید کاظم رشتی ان کے خلیفہ ہوئے - سید علی محمد باب بانی فرقہ بابی ان ہی سید کاظم رشتی کا شاگرد تھا - (صفحہ - ۵۷۶)

علی محمد باب ایران کے شہر شیراز کا رہنے وا تھا - اس کے باپ کا نام محمد رضا تھا - باب نے تھوڑی سی عربی، فارسی پڑھی تھی اور کچھ ریاضتیں کی تھیں - کہتا تھا کہ میں ایک دن میں ایک ہزار شعر کہتا ہوں اور خود ہی لکھتا ہوں - یہی میرا معجزہ ہے اس نے اپنے مریدوں کے لئے کل حرام خدا کو حلال کر دیا تھا - اور اپنے مریدوا کو شریعت محمدی کے خلاف جو جنسی آزادی عطا کر دی تھی اس کے نتیجے میں مریدوں کی کثرت دن بہ دن بڑھتی جاتی تھی - ملا حسین شیرویہ اس کا خلیفہ تھا - اور ایک خوبصورت عورت قرۃ العین جو علوم عربیہ میں مہارت رکھتی تھی - اس کی نائب تھی - باب کو کئی مرتبہ پٹوایا گیا اور قید کیا گیا - لیکن جاہلوں میں اس کا اثر بڑھتا گیا - آخر علی محمد باب کو شہر تبریز میں ۲۷/ شعبان ۱۲۶۵ھ میں قتل کر دیا گیا - باب کے دیگر ساتھی

ایران سے جلاوطن کردیئے گئے - پھر بابیوں میں بھی دو فرقے ہوگئے
ازلی اور بہائی - لیکن ازلی فرقہ بہت جلد ختم ہوگیا اور بہائی فرقہ آج بھی
مریکہ اور دیگر ممالک میں اپنی تبلیغ میں مصروف ہے - بابی فرقے کے
متعلق اور ان کی حالیہ سورشوں کے متعلق پروفیسر براؤن تاریخ
دبیات ایران میں لکھتے ہیں -

"علی محمد نے پہلے تو "باب" یعنی امام مہدیؑ کا دروازہ ہونے کا
علان کیا پھر "بالاتر رفت" پھر "نقطہء اعلی" پھر "نقطہ بیان" ہونے کا
وی کیا - پھر "قائم" بنے، پھر ایک "نجات تازہ" کے بانی اور سب
، آخر میں "ظہور الہیٰ" ہونے کے مدعی ہوئے -" اس کے چند سطروں
، بعد بابیوں کے متعلق کچھ اور تفصیل کو بیان کرنے کے بعد لکھتے
-

"اس میں کچھ شک نہیں کہ بابی تحریک (ایران میں) بہت کچھ
ں و خون کا باعث ہوئی لیکن یہ سب کچھ محمد شاہ (بادشاہ وقت) کے
ل کے بعد ہوا - باب کو قلعہ ماکو میں قید کردیا گیا تھا - وہ قید تھے
راسان، مازندران اور دوسرے مقامات میں ان کے مسلح مرید
) حضرات) چکر لگاتے پھرتے اور مہدی موعودؑ کے ظہور اور

حکومت اولیا کے آغاز کا اعلان کرتے اور سب کو شرکت جنگ کی دعوت دیتے پھرتے تھے۔" (صفحہ ۲۴۲)

"بابیوں کی جنگی کارروائیوں کی انتہا یہ ہوئی کہ اس فرقے کے تین افراد نے ۱۵/ اگست ۱۸۸۲ء کو شاہ (ناصر الدین شاہ قاچار) کو قتل کرنے کی کوشش کی۔ اب ان کی تعزیر اور سرکوبی کا عمل شروع ہوا۔ ان میں (۲۸) اٹھائیس بابیوں کو جن میں سے بعض کم اور بعض زیادہ مشہور تھے شدید تکالیف کے ساتھ قتل کر دیا گیا۔ ان ہی مقتولین میں حسین اور قابل شاعرہ قرۃ العین بھی تھی۔"

اس کے علاوہ علامہ سپہر کاشانی نے ناسخ التواریخ میں اور مسٹر واٹسن نے "تاریخ قاچاریان" میں ناصر الدین شاہ قاچار کے عہد کے حالات لکھتے ہوئے ان بابیوں اور بہائیوں کی مختلف شورشوں اور خون ریزیوں کے حالات کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ جن کو پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ملک ایران میں، جہاں صفویوں نے تین سو برس سے زیادہ عرصے تک (یعنی بابیوں کے ظہور کے عہد تک) شیعیت کی بنیادوں کو مضبوط کیا تھا۔ جہاں شیعہ علماء و مجتہدین کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ اسی ایران کے مختلف شہروں، شیراز، خراسان،

ماذندران وغیرہ سے، علی محمد باب اور اس کے ساتھی، بارھویں امام حضرت حجۃ العصرؑ کا نام لے کر اور آپ کے سفیر ہونے کا جھوٹا دعویٰ کر کے شیعہ افراد کو پہلے تو اپنے ارد گرد جمع کر لینے میں کامیاب ہو جاتے تھے اور پھر انہیں شیعت سے نکال کر اپنی شخصیت کی جھوٹی عقیدت کا سچا ملمع اس طرح ان کے ذہنوں اور دلوں پر چڑھا دیتے تھے کہ یہ لوگ اپنا سچا مذہب، مذہب شیعہ امامیہ، اثنا عشری چھوڑ کر، ان کی جھوٹی شخصیت کی سچی پرستاری میں خوشی خوشی جان تک دے دیتے تھے۔ یہ واقعات اس لئے لکھنا ضروری سمجھا گیا کہ قارئین کو معلوم ہو جائے کہ اصل شیعت سے ہٹ کر، شیعت ہی کے نام پر اگر انسان کسی کی شخصیت کے سحر میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔

علی محمد باب کی نائب، زرین تاج، المعروف قرۃ العین کے حالات لکھتے ہوئے ڈاکٹر عزلیم آفندی مصری اور جناب مہدی حسین ناصری لکھتے ہیں کہ قرۃ العین ملا صالح قزوینی کی دختر اور ملا محمد تقی کی بھتیجی اور بہو تھی۔ (یہ دونوں بڑی وقعت رکھنے والے جلیل القدر علمائے مذہب شیعہ تھے۔) علی محمد باب کے کلمات پر ایسی فدا ہوئی کہ شوہر کو چھوڑ دیا اور باب کی نائب بن کر اس کے ساتھ ہو گئی۔ خود

فقہ و حدیث اور قرآن سے واقف تھی۔ شاعری میں بھی دسترس تھی
مجمع عام میں جب باب کے عقائد کی تبلیغ کے لئے بے پردہ نکلتی تو لوگ
اس کے بے مثال حسن کو دیکھ کر از خود رفتہ ہو جاتے تھے۔ مجمع عام
میں پکار پکار کر کہتی تھی کہ جس شخص کا جسم میرے جسم سے مس
ہو جائے گا اس کے جسم پر جہنم کی آگ اثر نہ کرے گی۔ یہ سن کر
حاضرین یکے بعد دیگرے آگے بڑھتے تھے۔ کوئی ہاتھوں کو بوسہ دیتا تھا
کوئی قدموں کو چومتا تھا یعنی سب کے سب جہنم کی آگ سے بچنے کا عقیدہ
لے کر قریب ہوتے تھے لیکن حقیقتاً جہنم کے سزاوار ہو جاتے تھے۔
اس کے چچا شیعہ عالم جلیل القدر ملا محمد تقی نے جب اس سے مخالفت
ظاہر کی تو قرۃ العین نے بے تکلف اپنے چچا کے قتل کا فتویٰ دیا اور اس
کے عقیدت مندوں نے ان بزرگوار کو ۱۲۶۳ھ میں مسجد کے اندر، عین
حالت نماز میں شہید کر دیا۔ اس کے بعد قرۃ العین اپنے باپ اور شوہر
سے بیزار ہو کر، خراسان پہنچی۔ مجمع عام میں منبر پر چڑھ گئی۔ چہرے
سے نقاب الٹ کر باآواز بلند گویا ہوئی۔ اے اصحاب، آج تکالیف
شرعیہ ساقط ہو گئیں۔ سات اقلیموں کے دروازوں پر قبضہ کر لو اور
سب دینوں کو ایک کر دو۔ آج کل جو کچھ کرو، وہ مباح ہے۔ یہ سن کر

اہلیان مجلس سر بگریبان رہ گئے اور اس سے بے زار ہو گئے - آخر ناچار
ہو کر مازندران کی طرف روانہ ہوئی - اسی قرۃ العین کا ایک لکچر،
"مفتاح باب الابواب" ڈاکٹر عولیم آفندی نے مصر سے شائع کیا ہے
جس کا ترجمہ کر کے مہدی حسین ناصری نے اپنی کتاب "باب و بابیان
میں نقل کیا ہے - قرۃ العین نے اپنے اس لکچر میں اپنے معتقدین سے
بہت سی ایسی باتیں بھی کہی ہیں جن کے ذکر سے ہتذیب و حیا مانع ہے
ہم صرف وہی باتیں لکھیں گے جن سے یہ ظاہر ہو سکے کہ شیعہ جب اپنی
اصل سے جدا ہو گئے تو ان کا انجام کیا ہوا -

"اے اصحاب و اغیار (یہ دو کلمے بابیوں کی اصطلاح میں بجائے
لفظ، مومن و کافر کے مستعمل ہیں) ظہور باب سے شریعت محمدی
منسوخ ہو گئی - اب تم لوگوں کا نماز، روزہ، زکواۃ اور تمام ان احکام پر
عمل کرنا جن کو محمدؐ لائے تھے - عمل لغو اور فعل باطل ہے (نعوذ باللہ)
حضرت باب بہت جلد دنیا کے شہروں کو فتح کریں گے، سوائے ایک
دین کے کہ وہ نیا دین باب کا ہے، دوسرا کوئی دین دنیا میں باقی نہ رہے
گا - ہم لوگوں کو چاہیے کہ وحدت سے کثرت میں آئیں -" اس کے بعد
ایسی ہدایتیں ہیں جن کا ذکر یہاں مانع حیا ہے - البتہ اتنا اور واضح کرنا

ہے کہ ایسی خرافات پر مبنی مذہب میں جب لوگ شامل ہوتے تھے تو باب کی اور قرۃ العین کی سحر آگہیں شخصیت کا طلسم ان پر ایسا اثر کرتا تھا کہ وہ باب کی محبت میں خوشی خوشی جان دینا اپنی آخرت کی کامیابی کا باعث سمجھتے تھے ۔ ناصر الدین شاہ قاچار کی فوجوں میں اور بابیوں میں بے شمار معرکے ہوئے اور ان معرکوں میں باب اپنے مریدوں سے کہتا تھا کہ جو بھی آج میرے ساتھ لڑتے ہوئے شہید ہو جائے گا وہ چالیس دن کے بعد پھر زندہ ہو جائے گا۔ اور اس کے مرید اپنی اندھی عقیدت کی وجہ سے اس کی۔ اس بات پر یقین کر کے بے جگری سے لڑتے ہوئے قتل ہو جاتے تھے ۔ مذہبی عقائد میں حد سے آگے بڑھ جانے کے بعد انسان کس طرح گمراہی پر اٹل ہو جاتا ہے۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے مہدی حسین ناصری متذکرہ بالا کتاب میں لکھتے ہیں ۔ " ایران میں بابیوں نے ایسا سر اٹھایا تھا کہ ناصر الدین شاہ قاچار جیسا رعایا پرور بادشاہ ان کے استحصال کے لئے ہمیشہ کوشاں رہا ۔ مگر یہ لوگ بھی مذہبی دائرے کو کٹھ پتلی کی طرح نچایا کیئے اور بالاعلان کہتے تھے کہ ہر غیر بابی سے لڑنا جہاد ہے ۔ حکام وقت کو قتل کرو ۔ سلطنت باب ہفت اقلیم میں پھیلا دو " ۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کی تیسری جلد صفحہ ۱۸۰ کے

دوسرے کالم میں جو مضمون "بابی" کی سرخی سے تحریر ہے اس میں بابی صوفیہ فرقے کے متعلق لایق مضمون نگار تحریر فرماتے ہیں۔

"صوفیہ وہ فرقہ ہے جس نے ظواہر اسلام کے سخت مسئلے وحدانیت کو مٹا کر واجب الوجود (یعنی خدا) بکثرت بنا دیئے۔"

بہرحال اس چار سو برس کے عرصے میں مجتہدین مذہب شیعہ اور ان کی تقلید کرنے والوں کے خلاف ایران میں بار بار مختلف (خود کو شیعہ کہنے والے) فرقوں کی طرف سے عقائد کے اختلاف کو بہانہ بنا کر اخباری اسمعیلی،، بابی، شیخی اور صوفی ہونے کا اعلان کرتے ہوئے ان فرقوں کی جانب سے اقدامات ہوتے رہے اور ان ہی عقائد کے اختلاف کو بنیاد بنا کر، ایران کی حکومت پر قبضہ کرنے کی کوششیں اور اصولی شیعوں کے ساتھ خون ریزی کے ہنگامے ہوتے رہے جن کی تفصیل کے لئے ناسخ التواریخ جلد دوم و سوم، تاریخ قاچاریان اور پروفیسر براؤن کی تاریخ ادبیات ایران اور اسی مصنف کے حوالوں کے مطابق بیشمار فارسی و انگریزی کتابوں کو دیکھا جا سکتا ہے۔ ہم تو یہ تفصیل صرف اس لئے پیش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اوپر بیان کئے گئے فرقوں کے علاوہ بھی بہت سے فرقے اور بھی ہیں جو کُل بیان

مظہر صفاتِ پروردگار حضرت علیؑ کی محبت کے دعوے کے ساتھ اصل شیعہ ہونے اور اسی محبت علیؑ کو (قرآن اور حدیث کی روشنی میں) دلیل بناکر ناجی فرقہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن یہ ممکن نہیں کہ یہ سب کے سب ناجی (جنتی) ہوں۔ ناجی فرقہ کون سا ہے، اس کے متعلق ہم اپنی طرف سے یہ کہنا چاہیں گے کہ اخباری طرز فکر سے متاثر ہمارے محترم بزرگوں اور ساتھیوں کو حدیث ثقلین سے تو انکار نہیں ہو سکتا کہ گمراہی سے بچنے کے لئے حضور اکرم صلعم نے نسخہ بتایا تھا۔ **انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی، اہلبیتی۔**

"میں تم میں دو گراں بہا چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ اللہ کی کتاب اور میری عترت، میرے اہلبیت۔ اگر تم ان دونوں کے دامن کو مضبوطی سے تھام لوگے تو کبھی گمراہ نہ ہونے پاؤگے۔ اور یہ دونوں (قرآن اور اہلبیت) کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے، یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس نہ پہونچ جائیں۔"

اس حکم صریح کو حُجت قرار دے کر (کیوں کے آپ کے پاس صرف حدیث ہی حجت ہے) ہم آپ سے یہ سوال کرنا چاہتے ہیں کہ اس ارشاد مبارکہ کے کچھ ہی دنوں کے بعد اور بقول بعض، کچھ ہی لمحوں کے

بعد، حضور کریمؐ نے حیات طیبہ کی آخری ساعتوں میں، وصیت لکھوانے کے لئے کاغذ، قلم طلب کیا (حدیث قرطاس) تو ایک شخص نے کہا" حسبنا کتاب الله ہمارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے۔" یہ کہہ کر اس شخص نے اہلبیت رسول کو ترک کر دینے کے راستے کی ابتداء کی۔ اور اس واقعہ کے ایک ہزار سال کے بعد یعنی ۱۰۳۳ھ میں ملا محمد امین استر آبادی بانی اخباریت نے اسی حدیث کے دوسرے جز" اہلبیت" کو کافی قرار دے کر، (قرآن کو نہ سمجھ سکنے کے بہانے کے ذریعے) قرآن کو ترک کر دینے کے راستے کی ابتداء کی کوشش کی۔ اب آپ حضرات غور کریں کہ حدیث ثقلین پر پوری طرح سے عمل ہونا چاہیے یا نہیں۔؟

ماتم حسینؑ کے خلاف فتوے کے بہانے ہنگامہ

ایام عزاء میں، خصوصاً عاشورہ محرم کو اور اربعین کو دنیا کے کونے کونے میں شیعہ نوجوانوں اور دیگر شیعہ افراد کی جانب سے جو ماتمی جلوس نکلتے ہیں، جن میں مختلف ملکوں اور شہروں کی روایات کے مطابق زنجیروں، چھچقیوں اور تلواروں کا ماتم کیا جاتا ہے۔ قم لگائے

جاتے ہیں اور شیعہ نوجوان یہ ماتم اس عقیدے کے تحت کرتے ہیں
کہ ہم ناصران حسین ہیں (حسین علیہ السلام نے جس وقت کربلا کے
میدان میں صدائے استغاثہ بلند کی تھی تو ہم نے عالم ارواح میں ان کی
اس آواز پر لبیک کہا تھا) اور یہ ماتم ان نوجوانوں کی اس آرزو کا بھی
عملی مظاہرہ ہوتا ہے کہ "مولا" کاش ہم اس وقت ہوتے کربلا کے
میدان میں تو اپنا خون، اپنی جان عزیز نہ کرتے اور اپنے آپ کو آپ پر
سے تصدق کر دیتے۔ یہ ماتم اگرچیکہ شیعہ نوجوان و شیعہ افراد اپنے
اپنے جسموں پر کرتے ہیں، لیکن یہ زنجیریں، یہ چھچقیاں، یہ تلواریں
اور یہ خنجر، امام حسینؑ کے دشمن، ان مخالفین عزاداری، غیر شیعہ،
افراد کی روحوں اور قلب و ضمیر پر برستے رہتے ہیں، جن کے مجرم ضمیر،
شعیوں کے ساتھ ہوکر، امام حسینؑ اور ان کے خاندان پر کیے گیے،
یزید کے مظالم کے خلاف، احتجاج تو ہنیں کرتے بلکہ اپنے آباؤ اجداد
کے عقائد کی بناء پر خود بھی یزید اور قاتلان حسینؑ کے مظالم کو نہ تو برا
سمجھتے ہیں اور نہ حقیقی، لہذا جب اس ماتم سے ان دشمنان عزاداری کو
روحانی تکلیف کا احساس ہوتا ہے اور روحوں پر کوڑے سے برستے ہوئے
محسوس ہوتے ہیں۔ تو یہ لوگ اس ماتم کے متعلق یہ خیال قائم کرتے

ہیں کہ، اس ماتم کو رک جانا چاہیے - یہ ان کی دلی آرزو ہوتی ہے - مگر چونکہ شیعہ، اپنے اس عمل میں آزاد ہوتے ہیں اور پر خلوص طور پر اس قوم کا بچہ بچہ اس عظیم عبادت کو ادا کرنا اپنا فریضۂ مودت سمجھتا ہے (جس کے ذریعہ محبت محمد و آل محمد کا جذبہ قوی ہوتا ہے) اس لئے یہ لوگ شیعوں کو ماتم سے روک نہیں سکتے، البتہ جب کبھی ماتم حسین کے خلاف کوئی بھی جھوٹا یا کمزور معمولی سا بہانہ بھی انھیں مل جاتا ہے تو اس معمولی اور بے بنیاد بہانے کو بھی بہت بڑا اور اہم بنا کر، اس ماتم کے خلاف آواز بلند کرنے کی کوشش کرتے ہیں - کچھ ایسا ہی واقعہ اس وقت پیش آیا جب گزشتہ سال آیت اللہ خامنہ ای کے ایک بیان کو اخبار بلٹز بمبئی نے اس کے حقیقی الفاظ کو اپنی طرف سے کچھ کا کچھ بنانے کے بعد، بڑھا چڑھا کر اس انداز سے شائع کیا، گویا شیعوں کے رہنما نے ہی شیعوں ہی کے ماتم کے خلاف فیصلہ دیا ہے حالانکہ اصولی شیعہ علماء و ذاکرین کی جانب سے، اس بیان کے اصل الفاظ کو پیش کر کے، اخبار بلٹز بمبئی، کی غلط بیانی اور مجرمانہ تفصیل کی تردید بھی کی گئی اور واضح کیا گیا کہ آیت اللہ خامنہ ای نے ایسا کوئی بیان یا فتویٰ نہیں دیا ہے، جو ماتم کے خلاف ہو - مگر اخبار بلٹز کی اس فتنہ انگیز خبر کو بہانہ

بنا کر، شہر حیدر آباد دکن میں، اخباری طرز فکر کا دعویٰ رکھنے والوں کی جانب سے، ایک مرتبہ پھر مجتہدین کے خلاف اور مجتہدین کی تقلید میں رہنے والوں کے خلاف خوب خوب زبان درازیوں کا مظاہرہ کیا گیا اس تمام ہنگامے کی وجہ یہی سمجھ میں آتی ہے کہ "اخباری ہونے کا دعویٰ کرنے والے افراد، اس بہانے سے اصولی شیعوں کے خلاف زہر اگلنا اور ناواقف و نادان شیعہ افراد کے جذبات جو ماتم حسینؑ کے سلسلے میں بہت نازک ہوتے ہیں ان کو مشتعل کر کے اپنا ہمنوا یعنی اخباری، بنانے کی کوشش کے اس بہترین موقع سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے ماتم حسین کے اس اہم مسئلے کے متعلق ہم نے اصولی شیعہ مجتہدین کے اس عقیدے کو اس سے پہلے بھی پیش کر دیا تھا اور اب دوبارہ یہاں نقل کرتے ہیں کہ " ماتم حسینؑ کا تعلق جوش عقیدت اہلبیت و محبت حسین علیہ السلام کے شدید جذبے سے ہے اور یہ ماتم، ہر ماتم کرنے والے کے لئے واردات قلبی کا، اعضاء و جوارح کے ذریعے اظہار کا ذریعہ ہے۔ اب نہ تو ہر ماتم کرنے والے کو یہ کہہ کے مجبور کیا جاتا ہے کہ یہ فعل واجب ہے اور نہ ہی اس وقت ماتم حسین میں شریک نہ ہونے والے کو مورد الزام گردانا جاتا ہے۔ ماتم حسینؑ کا تعلق جوش

عقیدت محمدؐ وآل محمدؐ سے ایسا ہی ہے جیسا کہ رسول خدا سے عقیدت و محبت رکھنے والے حضرت اویس قرنیؒ کا عمل ہے۔ حضرت اویس قرنیؒ کے حالات کے لئے دیکھئے تاریخ اعثم کوفی، تذکرۃ الاولیاء اور شاہ عبدالحق محدث دہلوی کی کتاب "اخبار الاخیار"۔ حضرت اویس قرنیؒ یمن میں رہتے تھے۔ حضرت رسول خدا کی حیات طیبہ میں وہ زیارت رسول سے مشرف نہ ہو سکے لیکن رسول خدا فرماتے تھے "مجھے یمن سے بوئے دوست آتی ہے۔ اور بعض صحابہ سے فرمایا کہ میرے بعد اویسؒ سے ملاقات ہو تو ان کو میرا اسلام پہونچا دینا۔ وفات پیغمبر اکرمؐ کے بعد جب اویس قرنیؒ مدینہ آئے تو امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ ہو گئے۔ اور حضرت مولائے کائنات کی نصرت و محبت میں صفین کے میدان میں شام کے منافقین سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ حضرت اویس قرنیؒ کو جب معلوم ہوا کہ جنگ احد میں کفار کے حملوں سے حضرت رسول خدا کے کچھ دندان مبارک شہید ہو گئے تھے تو یہ سن کر جوش محبت رسولؐ میں (اویس قرنیؒ) اتنے بے حال ہوئے کہ اپنے تمام دانت یکے بعد دیگرے توڑ ڈالے۔ حالانکہ شرعاً اپنے جسم کے کسی عضو کو عمداً اپنے جسم سے (بے ضرورت) علحدہ کرنا حرام ہے۔ مگر

حضرت اویس قرنی کا یہ عمل جوش محبت رسولؐ میں بے حال ہونے کے بعد سرزد ہوا تھا اسی لئے اس پر اعتراض کرنے کی بجائے، سب ہی اس کو صحیح اور درست مانتے ہیں اور یہ عمل ان کے لئے جزائے خیر کا باعث ہوا۔ اس لئے کہ رسول خدا نے فرمایا۔ اویسؒ جس کے لئے دعائے خیر کریں گے، ان کی دعا خدا کے پاس مقبول ہوگی۔ ایسے ہی امام حسین علیہ السلام کے غم میں بے حال ہو کر اگر کوئی چھقچی یا زنجیر یا تلواروں سے ماتم کرے تو یہ غلط نہیں ہو سکتا۔ ماتم حسینؑ کے اس اہم ترین مسئلے کے متعلق آیت اللہ بخوائی اپنی مشہور کتاب " الدعاۃ الحسینیہ " میں لکھتے ہیں۔ " انبیاء اولوالعزم کا سرزمین کربلا سے گزرنا اور ان کا زخمی ہونا، اس بات کی غمازی کرتا ہے مثلاً حضرت آدمؑ کے پیر سے خون بہنا، یا حضرت موسیٰؑ کے پاؤں کا زخمی ہونا، یا حضرت ابراھیم کے سر سے خون بہنا اور اہلبیت اطہار یں جناب زینب سلام اللہ علیہا کا محمل سے سر ٹکرانا اور خون جاری ہونا۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم وآلہ وصلعم کا خود گریہ فرمانا۔ یہ تمام باتیں ہمارے سامنے ہیں جو غور و فکر کی دعوت دیتی ہیں "۔

اس موقع پر " اخباری طرز فکر کے حامل ہونے کا دعویٰ کرنے

والے" دوستوں اور بزرگوں سے ہمارا یہ سوال ہے کہ اصولی علماء و مجتہدین تو ماتم حسین کے صحیح ہونے کے جواز میں یہ اور اس قسم کے بہت سے دلائل قرآن و سنت سے استفادہ کرتے ہوئے، عقل کے ذریعے ثابت کر کے پیش کرتے ہیں لیکن اخباری طرز فکر کے حامل افراد کے پاس تو ماتم حسین علیہ السلام کے صحیح اور جائز ہونے کے بارے میں کوئی واضح نص موجود نہیں ہے ۔ جسے وہ من و عن اخبار (احادیث) کے ذریعہ پیش کر سکیں ۔ اس حقیقت کی روشنی میں صرف یہی سمجھ میں آتا ہے کہ "اصولی علماء کے مقابل ماتم حسین کی حمایت میں اخباری طرز فکر کے حامل افراد زور و شور سے جو مظاہرے کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ سادہ لوح مومنین کے جذبات عقیدت ماتم حسین کو اسی بہانے سے اپنے موقف کی حمایت کی طرف موڑ دیا جائے"

"آگے چل کر آیت اللہ نجوانی یہاں تک کہتے ہیں کہ "رہا سوال، ایسے افراد کا جو اپنے آپ کو زخمی کرتے اور یہ کہتے ہیں کہ ہم ناصران حسین علیہ السلام ہیں ۔ کوئی تعجب کی بات نہیں ۔ ممکن ہے کہ ان کا عقیدہ اور ایمان اسی بات سے پختہ ہوتا ہو اور وہ اس طرح ثواب

آخرت کی امید میں ماتم کرتے ہوں - یقیناً ہم بھی اس ثواب کے مستحق ہیں - ہم نے تو اس وقت بھی عزاداری ترک نہیں کی جب کہ متوکل نے زیارت قبر حسین علیہ السلام کو جانے والے زائرین کو قتل کرایا - حسینؑ کے شیدائی اس وقت بھی اپنی جان ہتھیلیوں پر رکھ کر زیارت قبر حسینؑ کے لئے جایا کرتے تھے - ایک وقت ایسا بھی آیا کہ متوکل ملعون نے زائرین قبر حسینؑ پر پابندی عائد کردی کہ اگر دو آدمی زیارت قبر حسینؑ کے لئے جائیں تو ان میں سے ایک قتل کر دیا جائے اور دوسرا زیارت کے لئے جائے - یہ اعلان سن کر شیعان حسینؑ میں اس قدر جوش و ولولہ پیدا ہوا کہ باپ بیٹے اکٹھے زیارت کے لئے نکلتے اور ان میں سے ایک اپنی جان کو امام حسینؑ یا علیؑ اکبرؑ پر قربان کرتا اور دوسرا زیارت کے لئے روانہ ہو جایا کرتا تھا - ان کا یہ فعل یقین سے بھرپور ہوتا اور انھیں جنت کے جوانوں کی خوشنودی کا یقین دلاتے ہوئے جنت کی بشارت دیتا ہے -!!

مجتہدین اصولی، اعلم دوراں، ہر دور اور ہر زمانے میں ماتم حسین علیہ السلام کے جائیز اور مستحسن ہونے کے متعلق نہایت ہی واضح اور کھلے الفاظ میں فتوے دیتے رہے ہیں اس لئے جب تک یہ

فتوے باقی ہیں اخباریت کا دعویٰ رکھنے والے حضرات اس نازک مسئلے پر جھوٹے حیلے بہانوں سے مومنین کے جذبات عقیدت کو اصولی شیعہ مجتہدین و علماء اور مراجع کے خلاف مشتعل کرنے کے اپنے مقصد میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

اس موقع پر ہم ایک بار پھر، ماہنامہ فطرت کراچی ماہ اپریل ۱۹۷۹ء کے صفحے ۲۰ پر شائع شدہ اس فتوے کو نقل کرتے ہیں جس کی رو سے ماتم امام حسینؑ کے موقع پر آلات جارحہ یعنی چھچھی، زنجیر اور تلوار سے ماتم کرنے کو آیت اللہ العظمیٰ، آقائی مرزا حسین الفردی، النائینی مرحوم قدس سرہ، مرجع اعلیٰ حوزہء علمیہ علمیہ نجف اشرف المتوفی ۱۳۵۵ھ نے صحیح اور جائز قرار دیا ہے اور اس کی تائید دس دوسرے جید علماء اور مجتہدین نجف اشرف نے بھی فرمائی ہے (اور آج تک تمام اعلم دوران اس کی تائید فرماتے رہے ہیں) ماہنامہ فطرت کراچی نے اس تفصیل تشریح کے ساتھ اس فتوے کو شائع کیا ہے۔ "عراق میں بعض جاہلوں کی غنڈہ گردیوں سے گھبرا کر، جان و عزت کو بچانے کے خواہش مند ذیلی علماء نے بصرہ، بغداد، عراق اور نجف اشرف میں عزاداری کو بند کرانے کی مہم شروع کی اور مسلمانوں کو ماتم کرنے سے

روکنے کے لئے عزاداری کو بدعت قرار دے کر اشتہارات شائع کئیے اور اس پروپیگنڈے کا اثر، برصغیر ہند تک پہونچ گیا۔ خصوصاً حیدرآباد دکن میں، جہاں قطب شاہیوں کے بنا کردہ شاہی عاشور خانوں کے علاوہ سنی اور شیعہ متحد ہو کر ماتم حسینؑ میں سرگرم عمل رہتے تھے۔ اسی سال میر عثمان علی خاں مرحوم (حضور نظام) نے پہلی بار، بارگاہ حضرت ابوالفضل العباسؑ میں ۹/ محرم کی صبح کے ماتم میں شرکت کی بارگاہ حضرت عباسؑ میں حیدرآباد دکن کے ہزاروں شیعہ جمع ہو کر چھچقیوں، زنجیروں وغیرہ سے ماتم کیا کرتے تھے۔ انسانی خون کو بہتا ہوا دیکھ کر نظام دکن گھبرا اٹھے اور اپنے محل میں پہونچتے ہی بذریعہ فرمان آلات لہو (آلات جارحہ) سے ماتم کرنا تعزیری جرم قرار دے دیا۔ شیعان حیدرآباد نے فوراً ایک وفد، سرکار آیت اللہ حضرت نائینی صاحب کی خدمت میں عراق روانہ کیا، جہاں پہلے ہی اس خصوص میں عرب و عجم کے شیعہ ایک سخت ہیجان میں مبتلا تھے۔ سرکار آیت اللہ نائینی نے ماتم سرکار سیدالشہداء کے لئے ایک تفصیلی فتویٰ تحریر فرما کر اس حیدرآباد کے وفد کے حوالے فرمایا اور بصرہ اور نجف کے لئے اس کی اشاعت فرمادی۔ اور جب حضور نظام مرحوم کو حضرت آیت اللہ

العظمی نائینی صاحب قبلہ کا فتویٰ بتلایا گیا تو انھوں نے آلات جارحہ سے ماتم کرنے کے اپنے ممانعتی حکم کو واپس لے لیا۔ حضرت آیت اللہ العظمی نائینی صاحب قبلہ کے فتوے کا اردو ترجمہ قارئین حضرات کے لئے کیا جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بصرہ اور اس کے گردونواح کے شہروں میں بسنے والے بزرگوں پر سلام کے بعد واضح ہو کہ ٹیلیگراموں، خطوط اور دستی خطوط کے ذریعے عزاداری اور جلوس عزائے امام علیہ السلام کے تعلق سے مجھے جو شکایات وصول ہوئیں ں، ان کو دیکھا اور مذکورہ سوالات کا علحدہ علحدہ جواب دے رہا ہوں۔

مسئلہ اول جلوس۔ دسویں محرم روز عاشورہ کو یا معصومین علیھم السلام کی شہادتوں یا وفات کے موقع پر بازاروں، سڑکوں اور چوراہوں میں سینہ زنی کے جلوس نکالنے میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ جلوس امام حسین علیہ السلام کی عزاداری کے قیام اور حق کے پیغام کو دور و نزدیک پہونچانے کے بہترین وسائل ہیں۔ لیکن

لازم ہے کہ راگ راگنی کے انداز موسیقی کو عزاداری میں شامل کرنا مقاصد عزا کے منافی ہے۔ اس لئے کہ سینہ زنی، بزرگ ترین عبادات کے طریقوں میں کا ایک پر جلال شعار ہے۔ اسے بہت احترام سے بجا لانا چاہیے۔

مسئلہ دوم۔ سینہ زنی، سینے اور چہرے پر ضربیں لگانا اور طمانچے مارنا، یہاں تک کہ سینہ و چہرہ سرخ و سیاہ ہو جائے، غلط عمل نہیں ہے اور کندھوں اور کمر پر زنجیر سے ضربیں لگا کر اس طرح ماتم کرنا کہ کمر اور پشت چوٹوں سے سرخ یا سیاہ ہو جائے، کوئی عیب نہیں۔ خنجر چھری یا تلوار کا ماتم جو برابر جاری رہتا چلا آیا ہے، وہ بھی جائز ہے بشرطیکہ صرف گوشت بدن سے خون نکلے اور ہڈی مجروح نہ ہو اور خون بھی اس قدر نہ نکلے جو جانی نقصان کا باعث ہو جائے اور اگر ہم اس صورت حال پر نظر کریں کہ خنجر و تلوار سے ماتم کرنے والا شخص خود مطمئن ہے اور جوش اور جذبہ ایمانی سے سرشار ہو کر خنجر و تلوار سے دھڑا دھڑ ماتم کر رہا ہے لیکن اچانک خطرے سے دوچار ہو جاتا ہے اور موت واقع ہو جاتی ہے یا شدید زخم پڑ جاتے ہیں تو اس صورت میں بھی خنجر و تلوار کا، ماتم حرام نہیں ہو جاتا۔ نوجوانوں کا وہ طبقہ خاص طور

سے میرے سامنے ہے جو امام حسین علیہ السلام سے اور آپ کے خانوادے سے قلبی محبت رکھتا ہے اور ان کی عظمت پر دل سے ایمان رکھتا ہے ۔ اس کا دل مصائب حسین سن کر بے قابو ہو جاتا ہے اور وارفتگی کے عالم میں احتیاط اور خوف جان سے لاپرواہ ہو جاتا ہے اور اپنی زندگی خطرات کی نذر کر دیتا ہے ۔ میں خداوندے عالم سے ایسے نوجوانانِ قوم کے لئے دعاگو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو اس فداکارانہ اعتقاد میں استقامت عطا فرمائے ۔

احقر مرزا حسین الفرائینی النائینی

۵/ربیع الاول ۱۳۲۵ھ

کتاب الجواہر الاعتقادیہ سے حجت الاسلام السید عبدالحیٰ طباطبائی النجفی ، مطبوعہ المطبعۃ الملیہ فی نجف ، کی شائع شدہ کتاب "الحسین" کے صفحات ۱۳ تا ۱۷ پر مکمل اور مفصل فتوی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے کہ حجت الاسلام موصوف نے آقائی نائینی کے فتوے کی تائید میں صادر کئے گئے گیارہ ہم عصر علماء و مجتہدین کے فتوے بھی شائع فرمادیئے ہیں ۔ اس فتوے کی تائید آیت اللہ العظمیٰ آقائی ابوالقاسم

الخوئی رضوان اللہ علیہ نے (وفات ۱۹۹۲ مطابق ۱۴۱۳ھ) اس طرح کی ہے۔ "استاد مکرم آقائی حضرت نائینی نے اہل بصرہ کے سوالات کے جوابات میں جو تحریر فرمایا ہے وہ صحیح ہے اور اس پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ [illegible] ان ایمانی کو شعائر دین کی تعظیم کرنے اور حرام چیزوں سے دور رہنے کی توفیق عطا فرمائے"۔

اس طرح ہر مرجع نے اس فتوے کی تائید کی ہے اور یہ فتویٰ آج تک قائم ہے۔

حرف آخر

اس مختصر سی کتاب میں ہم نے اپنی بساط کے مطابق، مستند تاریخی حوالوں سے اس حقیقت کی وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اللہ کی رسی جو قرآن اور اہلبیت کی صورت میں بٹی ہوئی، ایک دوسرے سے متصل ہمارے اصولی شیعہ امامیہ اثنا عشری فرقے کے پاس موجود ہے۔ اس رسی کو جس کسی شیعہ نے بھی، اپنی سادہ لوحی سے ایمان و یقین کے رشتوں کی کوششوں کو سمجھے بغیر چھوڑ دیا وہ کہیں کے

فرقے میں شامل ہو کر اپنی اصل سے جدا ہو گیا۔ آخر میں ہم خصوصیت کے ساتھ صاحبان عقل و شعور کو اس اہم حقیقت کی طرف ضرور متوجہ کرنا چاہیں گے کہ آج کا دور بڑا پر آشوب دور ہے۔ آج کا انسان مادی فائدوں اور دنیوی لذتوں کی خواہشوں میں مبتلا ہے۔ چند روزہ دنیوی راحت و آرام اور سہولتوں اور آسائشوں کے بدلے، ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والی آخرت کی راحتوں اور نعمتوں کے حصول کی کوششوں کو اس لئے ترک کرنا چاہتا ہے کہ دنیوی راحتیں اور نعمتیں آج حاصل ہونے کی امید ہے اور اخروی سہولتیں اور آسائشیں آخرت میں ملنے والی ہیں۔ آج کے دنیوی نقد کو چھوڑ کر، آخرت کے ادھار پر بھروسہ کرنے کوئی بھی تیار نہیں۔ آج ساری دنیا میں اسلام دشمن طاقتیں، خصوصاً امریکہ اور اس کے حلیف ممالک ڈالر، پاونڈ اور ریال کی دولت اور دیگر ذرائع ابلاغ کے ذریعے ملت اسلامیہ کے ہر فرقے میں اختلاف اور انتشار پھیلانے کی کوششوں میں مشغول ہیں۔ اور خصوصیت کے ساتھ امریکہ شیعہ مذہب کی اکثریت رکھنے والے ملک ایران کے خلاف ہے اور اسی وجہ سے شیعوں کے خلاف شدت سے سرگرم عمل ہے۔ کیونکہ شیعوں کے پاس ایک مرکز پر جمع رہنے

یعنی اعلم دوراں مجتہد کی تقلید کا عقیدہ ایسا عقیدہ ہے، جو اسلام دشمن طاقتوں کی اسلام کے خلاف ہر کوشش کو ناکام بنادیتا ہے۔ اس کا اثر آج تک سلمان رشدی کے خلاف فتوے کی صورت میں موجود ہے۔ اسی تقلید کے عقیدے کی وجہ سے تمام اصولی شعیہ چاہے دنیا کے کسی کونے میں موجود ہوں ایک دوسرے سے رشتہ رکھتے ہیں۔ آج اسلام کے خلاف ایک منظم سازش جاری ہے اور ساری دنیا میں جہاں جہاں مسلمان ہیں، ان کو مختلف حیلوں، بہانوں سے تباہ و برباد کرنے کے لئے روبہ عمل لائی جارہی ہے اسی منظم سازش کے ذریعے اکثر مقامات پر ایک ہی فرقے کے افراد میں تفرقہ پیدا کرنے کے لئے ان ہی میں سے کسی ایک فرد یا افراد کو دولت کے لالچ میں مبتلا کرکے، ان کے ذریعے اس فرقے کے عقائد کے معمولی معمولی اختلاف کو ہوا دے کر یا ان میں عقائد کا نیا اختلاف پیدا کرکے ان کی صفوں میں انتشار پھیلانے کے واقعات بھی منظر عام پر آتے جارہے ہیں۔ برطانوی جاسوس ہمفرے کی کتاب "ہمفرے کے اعترافات" نامی کتاب کو پڑھنے والے جانتے ہیں کہ اسلام دشمن طاقتیں، دولت اور دیگر ذرائع کے ذریعے، مسلمانوں کے عقائد کے معمولی اختلاف کو بھی ہوا دے کر، کس طرح

ان کے اتحاد و اتفاق کو پارہ پارہ کرنے کی منظم کوششوں میں مشغول ہیں - ایسے پر آشوب دور میں اگر شیعان حیدر کرارؑ، ائمہ معصومین علیھم السلام کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق صراط المستقیم پر چلتے ہوئے، اپنے گوہر مقصود "رضائے الہیٰ" کو حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ان کے لئے صراط مستقیم کو مشکوک کرنے اور اپنے بیان کردہ عقائد کو (حسب شاید وہ خود اپنی استعداد ذہنی کے مطابق سچ سمجھتے ہیں) نہ قبول کرنے پر انھیں شیعت سے خارج بتانے کی کوشش، چاہے کسی بھی گوشے سے ہو، وہ جائز ہنیں ہو سکتی، کیونکہ آج کے اس بدترین دور میں اتحاد ملت اور اخوت و بھائی چارہ ہی ہماری ملت کی بقا و ترقی کا باعث ہو سکتا ہے - اور اختلاف و انتشار اور بھائی بھائی کا ایک دوسرے کے ایمان کو مشکوک قرار دینا اور یہ سوال پیدا کرنا کہ اصل شیعہ کون ہے؟ اخباری یا اصولی؟ اور فروعی عقائد کا اختلاف رکھنے والے کسی بھی عالم دین کے خلاف (چاہے اس طرز فکر کے عالم ہوں یا اس طرز فکر کے) نامناسب، ناروا اور نازیبا الفاظ کا استعمال کرنا اور ان کی تحقیر کی کوشش کرنا، قرآن اور سنت کی رو سے یہ تمام امور نامناسب ہی ہنیں بلکہ ناجائز ہیں - کیونکہ اللہ نے کافروں کو تک برے اور نازیبا الفاظ

سے یاد کرنے سے منع کیا ہے اور اللہ کی جانب سے حکم صریح موجود ہے

ادع الی سبیل ربک بالحکمتہ والمواعظتہ الحسنہ

اللہ کے راستے کی طرف حکمت کی باتوں اور اچھی نصیحتوں کے ذریعے بلاؤ۔

اپنے اپنے موقف کی وضاحت کے لئے قرآن کا بتایا ہوا ہی راستہ ہمیں اختیار کرنا چاہیے۔ اور الحمدللہ ہم تمام شیعہ تو، ایک ہی در اہلبیت پر جمع ہو کر دین و دنیا کی سعادتیں حاصل کرنے کا دعویٰ کرنے والوں میں سے ہیں۔ آج " اصولیت اور اخباریت " کے مسئلے پر حیدرآبادی شیعوں میں انتشار کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے اور اکثر مقامات پر اس مسئلے سے پوری طرح ناواقف افراد و نوجوان اس مسئلے کو اپنی اپنی استعداد ذہنی کے مطابق سمجھ کر، ایک دوسرے سے مباحثوں میں مشغول نظر آتے ہیں اور مباحثوں کی شدت اور ان کے انداز کو دیکھ کر یہ اندیشہ پیدا ہو رہا ہے کہ کہیں یہ مباحثے " محاربوں " میں نہ تبدیل ہو جائیں۔ اس مسئلے پر بعض ذمہ دار علماء و ذاکرین اپنی اپنی مجلسوں

میں مجالس عزاء کو مخاطب کرنے کے دوران مومنین کی تشفی کرنے کی کوشش ضرور کرتے ہیں، لیکن تحریری طور پر بھی ممکنہ حد تک تمام پہلوؤں سے اس مسئلے کا جائزہ لیتے ہوئے نوجوانوں اور افراد قوم کو مطمئن کرنے کی کوشش کے طور پر، ایسے ہی کسی اقدام کی ضرورت، محسوس ہورہی تھی۔ اسی وجہ سے ہم نے اپنی بے بضاعتی و علم و فضل کی ناداری کے احساس کے باوجود، اس اہم مسئلے پر، اپنی علمی بساط کی حد تک، قلم اٹھانے کی کوشش اس لئے کی ہے تاکہ افراد قوم کو معلوم ہوسکے کہ یہ مسئلہ اتنا سنگین نہیں ہے جس کے لئے اتحاد ملت کو قربان کرکے ہم دو فرقوں میں بٹ جائیں۔

وماعلینا الا البلاغ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اظہار تشکر

۱۔ اصولیت اور اخباریت کے موضوع پر موجودہ انتشار اور اختلافات کے لامتناہی سلسلے کو دیکھتے ہوئے، احقر نے کوشش یہ کی کہ کسی طرح، اصولیت اور اخباریت کی اصلی شکل وصورت کو واضح کرکے، ان موضوعات سے متعلق شکوک وشبہات کی دھند کو ہٹایا جائے اور افراد قوم کے سامنے اس حقیقت کی وضاحت کی کوشش کی جائے کہ یہ نظریاتی اختلاف اتنا اہم نہیں ہے کہ ہم ایک ملت واحدہ کی بجائے دو فرقوں میں تقسیم ہوجائیں۔ اس اہم اور محنت طلب کام میں کتنی دشواریاں تھیں اور نظریات وافکار کی مخالفت کے کتنے پہاڑ درمیان میں تھے، اس کا اندازہ تو اس کام کے شروع کرنے کے بعد ہی ہوا۔ لیکن جب اس مقصد کے حصول کے لئے ہم نے فریقین کی بنیادی کتابوں کے ذریعے، ان کے اعلان کردہ عقائد، اور ان عقائد کی تائید وتردید میں، ایک دوسرے کی جانب سے پیش کیے گئے، قرآن و حدیث کے دلائل حاصل کئے اور تاریخ وسیر کی کتابوں سے اختلاف

عقائد کے حامل فرقوں کے حالات کو ممکنہ حد تک جمع کر لیا تو اس کے بعد کی دشوار ترین منزل، اپنی اس کوشش کو ایک مطبوعہ کتاب کی شکل میں افراد قوم تک پہونچانے کی تھی۔ اگر کچھ دردمندان قوم و ملت کو "اصولیت واخباریت" کے موضوع پر روز بہ روز بڑھنے والے اس اختلاف وانتشار سے پیدا ہونے والے نقصانات کا شدید احساس نہ ہوتا اور ان مومنین نے بغیر کسی ذاتی غرض کے صرف کار آخرت کے خیال سے، دامے، درمے، قدمے، سخنے، ہماری حوصلہ افزائی نہ کی ہوتی تو ایسے تاریک، بے حس اور حوصلہ شکن ماحول میں اتحاد ملت کی اس پر خلوص کوشش کو عمل کی منزل میں لانے سے پہلے ہی ختم کر دینا پڑتا۔

ان مخلص مومنین میں جناب سید احتشام حسین جعفری کی منفرد ہمہ صفت موصوف، پر خلوص شخصیت کا ذکر بھی ضروری ہے کہ موصوف نے ہر قدم پر ہمارے عزم و حوصلے کو سہارا دیا۔ اس کے علاوہ جناب میر عنایت علی نقوی جناب سید علی حسین، جناب میر عابد علی خاں، جناب میر حسن علی موسوی، جناب لئیق حسن رضوی، جعفر حسین ایلیا سلمہ اور دیگر اصحاب خیر کے بھی ہم ممنون ہیں کہ، ان سب کے تعاون واشتراک کی وجہ سے یہ مہم سر ہو سکی۔

عالی جناب پروفیسر ایم۔ تقی خاں صاحب مدظلہ کے بھی

ہم ممنون و مشکور ہیں کہ انھوں نے نہ صرف ہماری حوصلہ افزائی فرمائی بلکہ مقدمہ کتاب سے سرفراز فرماکر، ہماری اس ناچیز کوشش کے وقار میں اضافہ فرمایا۔

اس کے علاوہ، مولانا کامران حیدر سلمہ کا ذکر بھی ضروری ہے کہ، جب موصوف ایک طویل عرصے کے بعد ملنے کے لئے آئے اور انھوں نے "اصولیت اور اخباریت" کے موضوع پر لاحق شبہات کا ذکر کیا تو احقر نے اپنی حاصل شدہ معلومات ان تک پہونچائیں۔ اور پھر اپنی اس زیر نظر کتاب کا مسودہ بھی انھیں پڑھنے کے لئے دیا۔ جس کو پڑھنے کے بعد، ان کی حق پسند طبیعت نے اس کتاب کے مندرجات کو تسلیم کرتے ہوئے، کتاب پر تبصرے کے طور پر اپنے خیالات قلمبند کر کے شامل اشاعت کرنے کے لئے ہمارے حوالے کر دیئے۔ جس میں آپ کے زیر مطالعہ کتب کے حوالے بھی ہیں اور اعلان حق کے طور پر، اصولیت، یعنی اجتہاد و تقلید کو صحیح اور لازمی تسلیم کیا گیا ہے۔ اس تبصرے کو پڑھنے کے بعد، یہ امید پیدا ہوتی ہے کہ، ممکن ہے کچھ ایسے حق پسند اور بھی ہوں گے جو اپنی حق پسند فطرت کی وجہ سے، شکوک و شبہات کی دھند کے ہٹنے کے بعد۔ چند روزہ دنیوی رکاوٹوں کا خیال کیے بغیر، ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والی آخرت کی کامیابی کی خاطر، خود بھی

اپنے اختیار کردہ طرز فکر کو ترک کر کے حق کے حمایتی ہونے کا اعلان کرنے والے ہوں ۔ پروردگار عالم سے دعا ہے کہ بطفیل محمدؐ وآل محمدؐ ان تمام مومنین کی توفیقات میں اضافہ فرمائے اور اتحاد ملت کی اس حقیر کوشش کو، ہم سب کے لئے فلاح آخرت کا وسیلہ بنادے ۔

نوٹ ۔ اتحاد ملت کے مقصد کی خاطر جو کچھ لکھا گیا ہے، اس میں احتیاط کی پوری پوری کوشش کی گئی ہے ۔ لیکن پھر بھی اگر کوئی کوتاہی ہو گئی ہو تو مومنین سے گزارش ہے کہ مطلع فرمادیں، تاکہ آئندہ اصلاح ہوسکے ۔

احقر العباد

رضا مہدی ذاکر اہلبیتؑ

۲۱-۲-۲۲ - دبیر پورہ حیدر آباد ۲۴

تاریخ - ۱۵ / ستمبر ۱۹۹۵ء

جن بزرگوں کی شفقتوں اور محبّتوں نے احقر کی ہر موقع اور ہر منزل پر توصلہ افزائی فرمائی، اُن میں والد محترم مولانا مرزا مہدی حسین ذاکر قبلہ، اعلی اللہ مقامہٗ، مولوی میر لطف علی صاحب مرحوم مولوی سید ہمایوں حیدر رضوی صاحب مرحوم کی شفقتیں اور محبتیں نا قابل فراموش ہیں ۔ مومنین سے ان بزرگ ہستیوں کے لئے سورہ فاتحہ کی تلاوت کی گذارش ہے ۔

اعلان حق

از : مویدِ حق مولانا کامران حیدر صاحب قبلہ عفی عنہ

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ کسی لفظ کا محل استعمال غلط ہو تو وہ لفظ غلط العوام سے تعبیر کیا جاتا ہے - لفظ کی معنوی افادیت ختم ہو جاتی ہے - غلط معنی پیدا ہوتے ہیں اور اس غلط معنی کے بطن سے غلط مفہوم اختراع ہوتا ہے جو نئے نظریئے کے ساتھ منصہ شہود پر جلوہ گر ہوتا ہے اور پھر سادہ لوح اذہان پر مسحور کن انداز میں ثبت ہو جاتا ہے - اس کے بعد تاریک اذہان کو صداقت کی سحر سے روشناس کرانا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہوتا - اور جب یہی بات مذہب کی راہ سے آئے تو عظیم مجاہدے کی ضرورت ہوتی ہے، جہاں حب نفس، حب جاہ، تملق پسندی، ذہنی غلامی، شخصیت پرستی اور بے جا تنقید کے تمام علائق سے دور رہ کر، کسی کی بھی شخصیت کو ہدف تنقید بنائے بغیر صداقت تک پہونچنا ہوتا ہے - چنانچہ مولف کتاب " اصولیت اور

اخباریت، حقیقت کے آئینے میں" ۔ مولانا رضا مہدی صاحب قبلہ مدظلہ العالی نے بڑی عرق ریزی کے بعد حقیقت کے آئینے کو آپ کے سامنے پیش کیا ہے تاکہ اس آئینے میں قاری کتاب اپنے عقائد و افکار کا جائزہ لے سکے ۔ آئینہ عیب و حسن، دونوں پہلو صاف صاف دکھا دیتا ہے ۔ مولانا رضا مہدی صاحب قبلہ نے جس غیر جانبدارانہ انداز میں اصولیت و اخباریت کے موضوع پر قلم اٹھایا ہے وہ قابل ستائش ہے آپ نے اصولیت اور اخباریت کا تجزیہ، تمیز و ممیز کے جدلی طرز فکر سے بلند ہو کر شائستہ انداز میں کیا ہے اور اس اہم موضوع کا تاریخی جائزہ بھی لیا ہے کہ ملا امین استرآبادی، صاحب "فوائد المدنیہ" سے پہلے کبھی اخباریت کسی بھی صورت میں نمایاں نہیں ہوئی تھی ۔ میرا خیال ہے کہ یہ کتاب ایسے ذہنوں کو خوش گوار فضا دے سکتی ہے جو حقیقت کے متلاشی ہوں ۔ بشرطیکہ قاری تحفظات ذہنی کے بغیر، حقیقت پسندانہ انداز میں مطالعہ کرے اور خود کو، ان اصولی و اخباری کے دو خانوں سے الگ رکھ کر، غیر جانبدارانہ انداز میں اس کتاب کو پڑھے تو افادیت کا باعث ہو سکتا ہے ۔ کیونکہ مولف نے یہ کتاب اسی انداز میں لکھی ہے ۔ راقم الحروف خود بھی، اپنے تحقیقی سفر

کے فرق کی تحقیق میں سرگرداں تھا - اس وقت بھی مولانا نے کئی ایک علمی مسائل میں میری رہنمائی کی اور حقیقت تک پہونچنے کے لیے، بعض کتابوں کی نشان دہی بھی کی - اسی طرح کچھ دن پہلے بھی، اصولیت و اخباریت کی تحقیق کے سلسلے میں مولانا کے ساتھ کئی نشستیں ہوئیں - تبادلۂ خیال ہوا - پھر مولانا کی کتاب " اصولیت و اخباریت، حقیقت کے آئینے میں " کا مسودہ پڑھنے کو ملا - جس کے بعد میں اس نتیجے پر پہونچا کہ اخباری طرز فکر نے شیعیت کو دو الگ الگ خانوں میں بانٹنے کی خطرناک کوشش کی ہے اور اصل شیعیت، اصولی شیعیت ہی ہے جو کہ حقیقی اسلام کی مکمل تعبیر ہے اور اسے اس جدلی اخباریت کے اثرات سے محفوظ رکھنا ضروری ہے - اور جیسا کہ مولانا رضا مہدی صاحب قبلہ مدظلہ العالی کی اس کتاب میں مستند حوالوں کے ذریعے واضح کی گئی تحقیق سے ظاہر ہے کہ ملا امین استرآبادی سے پہلے نہ کبھی اخباریت کا وجود تھا اور نہ کبھی کسی شیعہ عالم نے اس کا اظہار کیا - ملا امین استرآبادی کے بعد بھی علامہ وحید بہبہانی علیہ الرحمہ اور شیخ مرتضیٰ انصاری رضوان اللہ علیہ نے اپنی مدلل و مستحکم کتابوں کے ذریعے اس اخباری طرز فکر کا قلع قمع کر دیا تھا - اور یہ

خطرناک تحریک اسی وقت دم توڑ چکی تھی۔ جب آج کچھ افراد پھر سے اپنی ذاتی غرض یا غلط فہمی کی وجہ سے زندہ کرنے کی مذموم کوشش کر رہے ہیں۔

خادم خود بھی بعض بزرگ افراد کی غلط رہنمائی کی وجہ سے اس، اجتہاد و تقلید کے منکر۔ غارت گر ایمان" اخباری طرز فکر کو حق سمجھنے لگا تھا اور اس کی حمایت میں مختلف مقامات پر تقاریر کرنے کی غلطی بھی مجھ سے سرزد ہوئی جس کا مجھے افسوس بھی ہے اور ندامت بھی دراصل بات یہ ہے کہ مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ "باطل کبھی اپنی واضح صورت میں سامنے نہیں آتا بلکہ کچھ حق سے مواد لیتا ہے اس میں اپنی باطل کی آمیزش کر دیتا ہے۔ اس کے مرکب سے جو صورت بنتی ہے وہ ظاہراً سادہ لوح افراد کے لیے دل فریب ہوتی ہے۔"

اسی وجہ سے خادم بھی ان فریب خوردہ افراد میں شامل رہا اور باطل اخباریت کی حمایت میں تقاریر کیں اور کئی ایک امور میں مددگار بھی رہا جس کی وجہ سے نہیں معلوم کتنے ناپختہ ذہن اس فریب کا شکار ہوئے ہونگے اور قائل اجتہاد علمائے کرام مراجع عظام مجتہدین

ذوالاحترام کے خلاف ناگوار تاثرات پیدا ہوئے ہونگے۔ اس تصور ہی سے ندامت اور پشیمانی کا احساس اور بڑھ جاتا ہے کہ اس کا باعث میری تقاریر یا کاوشیں رہی ہوں گی۔ پروردگار عالم سے بطفیل چہاردہ معصومین علیہم السلام، دعا ہے کہ میری اس غلط فہمی اور غلط حملت کی وجہ سے جو ناپختہ ذہن متاثر ہوئے ہیں انہیں پھر سے صراط حق کی طرف پلٹنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان سب کو۔۔۔ موجودہ اعلم دوراں، مرجعٔ شیعان حیدر کرار کی تقلید کے ذریعے حصول رضائے الہیٰ کی کوششوں میں مشغول کردے۔

والسلام علی من اتبع الھدیٰ

کامران حیدر عفی عنہ

۱۳/ سپتمبر ۱۹۹۵ء



عالی جناب رضا مہدی صاحب قبلہ کی کتاب " اصولیت اور
اخباریت ، حقیقت کے آئینے میں " آپ کے وسیع مطالعے اور
مناسب حوالوں اور تاریخی و مذہبی مواد پر مبنی ہے ۔ موصوف نے عام
فہم اور غیر جانبدارانہ انداز میں مذہبی حقائق کو ان کے تاریخی اور سیاسی
پس منظر میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے جو ایک مستحسن اقدام ہے
کیونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہر مومن پر فرض ہیں ۔

HUSSAINI PUBLICATIONS
HUSSAINI MISSION
Hyderabad.

22-2-21, Dabir Pura, Hyderabad-500 024. A P. India